مسئلہ سُود

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

مکتبۂ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

مسئلۂ سُود

جس میں سُود کی تعریف، تجارتی سُود، جاہلیّتِ عرب کا سُود اور قرآن وسنّت میں اُس کا مفہوم، اس کی حُرمت اور اس پر وعیدِ شدید اور اس کی دینی، دُنیوی اور معاشی تباہ کاری پہ سیر حاصل بحث کی گئی ہے

حضرت مولانا مُفتی مُحمّد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتیٔ اعظم پاکستان

ترتیب

(۱) حصۂ اوّل

مسئلۂ سود

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتیٔ اعظم پاکستان

(۲) حصۂ دوم

تجارتی سود

عقل وشرع کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

❁❁❁

حصۂ اوّل

مسئلۂ سود

مؤلفہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتیٔ اعظم پاکستان

دیباچہ طبعِ سوم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کا رسالہ ''مسئلہ سود'' بحمداللہ بہت مقبول ہوا، اور ہر طبقے میں ذوق وشوق کے ساتھ پڑھا گیا۔ پچھلے دو سال سے یہ رسالہ نایاب ہو چکا تھا، اور ہر طرف سے مانگ مسلسل آرہی تھی، اب حضرت مصنف مدظلہم العالی نے رسالے پر نظرِ ثانی فرما کر کہیں کہیں ترمیم و اضافہ بھی فرمایا ہے، اس کے ساتھ ہی اس کتابچے میں برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہ، کا ایک مقالہ جو ''تجارتی سود'' سے متعلق ہے، مزید شامل کر دیا گیا ہے، جس میں تجارتی سود کی حلت سے متعلق اہلِ تجدّد کے مغالطوں کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

محمد رفیع عثمانی

خادم طلبہ دار العلوم کراچی

۲۳ر محرم ۱۳۹۰ھ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَسَیِّدِ اَنْبِیَائِہٖ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ وَّالَاہُ.

اسلام میں سود و ربا کی حرمت کوئی مخفی چیز نہیں کہ اس کے لئے رسالے یا کتابیں لکھی جائیں، جو شخص کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اسلام میں سود حرام ہے، بلکہ اس اجمالی حقیقت سے تو غیر مسلم تک ناواقف نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ سود خوری کا طریقہ کوئی دُنیا میں آج پیدا نہیں ہوا، اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی اس کا سلسلہ جاری تھا، قریشِ مکہ، یہودِ مدینہ میں اس کا عام رواج تھا، اور ان میں صرف شخصی اور صرفی ضرورتوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی سود کا لین دین جاری تھا۔ ہاں! نئی بات جو آخری دو صدی کے اندر پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ جب سے یورپ کے بنیئے دُنیا میں برسرِاقتدار آئے تو انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے سودی کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نام دیئے اور اس کو ایسا عام کر دیا کہ آج اس کو معاشیات و اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا اور سطحی نظر والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام بغیر سود کے چل ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ فن کے جاننے والے اور ماحول کی تقلید و اتباع سے ذرا بلند ہو کر وسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لینے والے اہلِ یورپ کا ہی یہ بھی فیصلہ ہے کہ سود معاشیات کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک کیڑا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں لگ گیا ہے، جب تک اس کو نہ نکالا جائے گا دُنیا کی معاشیات اعتدال پر نہ آسکیں گی، یہ قول کسی مُلّا کا نہیں بلکہ یورپ کے ایک مشہور محقق و ماہر کا ہے۔

ہاں! اس میں شبہ نہیں کہ آج دُنیا میں مشرق سے مغرب تک تمام تجارتوں میں سود کا جال اسی طرح بچھا دیا گیا ہے کہ آحاد و افراد کیا کوئی جماعت مل کر بھی اس سے نکلنا چاہے تو تجارت چھوڑنے یا نقصان اُٹھانے کے سوا کچھ ہاتھ آنا مشکل ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ عام تاجروں نے اب یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کریں؟ عام بے فکرے مسلمانوں کا تو ذکر کیا، وہ دین دار، پرہیزگار مسلمان تاجر جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں شریعت کے پورے متبع، تہجد گزار اور ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے ہیں، وہ رات کو تہجد و نوافل اور ذکر و فکر کا شغل رکھتے ہیں تو صبح دُکان پر پہنچ کر اُن میں اور ایک بنیئے یا یہودی تاجر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کے معاملات اور بیع و شراء اور آمدنی کے کل ذرائع وہی ہوتے ہیں جو یہودی تاجر یا بنیئے استعمال کرتے ہیں، اور یہ ابتدائی مجبوری ایک انتہائی غفلت تک پہنچ گئی کہ اب معاملات میں حلال و حرام کا تذکرہ بے وقوفی یا آج کل کے جدّت پسندوں کی اصطلاح میں نری مُلاَّئیت کہلاتا ہے، اور دُوسری طرف علمِ دین سے عام غفلت نے یہ عالم کر دیا کہ شاید اب بہت سے مسلمان ایسے بھی ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ سودی معاملات اسلام میں حرام ہیں۔ اور سود کی نئی نئی شکلیں نکلنے کے باعث یہ مرض تو عام ہوگیا کہ بہت سے مسلمانوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ فلاں معاملہ سودی ہونے کی وجہ سے حرام ہے، فلاں میں قمار حرام پایا جاتا ہے، ان میں بہت سے ایسے معاملات بھی ہیں جن کی مروّجہ شکل سود و رِبا پر مشتمل ہے، لیکن اگر بازار والے چاہیں تو اس کو آسانی کے ساتھ ایسے معاملات کی صورت میں بدل سکتے ہیں جو سود سے خالی ہو، اگر وہ کم از کم ایسے نجی معاملات ہی کو دُرست کرلیں تو سود کی لعنت سے اگر کلی نجات نہ ملے تو کم از کم تقلیل تو ہو، اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضا تو پورا ہو کہ وہ مقدور بھر حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔ اسلام میں بہت سی چیزیں حرام ہیں، لیکن سود کے معاملے میں جو وعیدِ شدید قرآنِ کریم میں آئی کہ سود کا لین دین گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ ہے، ایسی وعید کسی

دُوسرے گناہ پر نہیں آئی، پاکستان بننے کے بعد یہاں کی تقریباً کل تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی۔

میں ۱۳۶۷ھ اور ۱۹۴۸ء کے وسط میں پاکستان کراچی منتقل ہوا تو دیکھا کہ جہاں ہمارے عام تاجر اور ہزاروں سوداگر حلال و حرام اور قمار کی بحث سے یکسر غافل ہیں، انہیں اس کی فکر نہیں کہ کوئی معاملہ حرام ہوگیا یا حلال، وہیں خال خال کچھ ایسے دین دار لوگ بھی ہیں جن کو حلال و حرام کی فکر ہے، وہ اپنے کاروبار میں شریعتِ اسلامی کے اَحکام معلوم کرنا چاہتے ہیں، ایسے حضرات کے زبانی اور تحریری سوالات کا ایک سلسلہ رہا جس کے جواب میں عموماً یہ لکھا اور کہا جاتا رہا کہ فلاں معاملہ سود یا قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اور بہت سے معاملات میں ابتلائے عام پر نظر کر کے ان معاملات کی ایسی متبادل صورتیں بھی غور و فکر کے بعد لکھی گئیں جن سے اصل معاملات کا مقصد حاصل ہوجائے اور اس میں سود و قمار نہ رہے۔ لیکن کوئی فرد یا چند افراد تنہا چاہیں کہ ان پر عمل کریں اور سارا بازار سودخوری پر تلا رہے، تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں پر عمل نہیں ہوسکتا، ان صورتوں کو رواج دینے کے لئے ضروری ہے کہ تجار کی کوئی معتد بہ جماعت اس کا عزم اور معاہدہ کرلے۔

اس لئے میری یہ ساری کوشش تحریری اور زبانی اس لئے بیکار رہتی تھی کہ سوال کرنے والے چند افراد بازار کے رُخ اور معاملات کی صورتوں کو نہیں بدل سکتے تھے، تاآنکہ تجارِ کراچی میں سے اللہ کے چند صالح[1] بندے اس کام کے لئے جمع

---

(۱) ابتداءً جو حضرات اس کام کے لئے جمع ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، بعد میں اور بھی بہت سے حضرات نے شرکت فرمائی۔ ۱:- جناب حاجی محمد یوسف صاحب مالک سیٹھی ٹیکسٹائل مل کراچی۔ ۲:- حاجی محمد ابوبکر اسماعیل صاحب جمیل ٹریڈنگ کمپنی کراچی۔ ۳:- حاجی محمد شریف صاحب (مرحوم) مالک سٹیشن ٹی کمپنی کراچی۔ ۴:- حاجی محمد تقی صاحب کیسٹ کراچی۔ ۵:- حاجی محمد یوسف صاحب تاج ریسٹورنٹ کراچی۔ ۶:- حاجی محمد یوسف صاحب سوداگر پراچہ کراچی۔ ۷:- حاجی محمد یوسف برش مرکنٹائل کراچی۔ ۸:- حاجی احمد بھائی کاغذی کراچی۔ ۹:- حاجی عبداللہ بھائی بولٹن مارکیٹ کراچی۔ ۱۰:- مولوی محمد یوسف محلّہ صاحب کراچی۔

ہوئے کہ سود چھوڑنے اور چھڑانے کے لئے اپنی مقدور بھر اجتماعی کوشش کریں اور اس کے لئے تدبیریں سوچیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ آج کل جس طرح سے سودی کاروبار نے پوری دُنیا کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، اس سے خلاصی حاصل کرنے کی مکمل اور مؤثر صورت تو جبھی ہوسکتی ہے جبکہ کوئی با اختیار حکومت سود کی دینی و معاشی خرابیوں کا پورا احساس کرکے اس کے سدِّ باب کا عزم کرلے اور اس کی راہ میں جو مشکلات ہیں اپنے پورے ذرائع سے ان کا مقابلہ کرے، بے چارے عوام یا ان کی کوئی جماعت اس کام کو مکمل طور پر نہیں کرسکتی، لیکن قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود پر انتہائی وعیدیں فرمائی ہیں جو کسی دُوسرے گناہ پر نہیں آئیں کہ سودی کاروبار کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر کسی مسلمان کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اس شدید حرام کے دُنیا میں پھیل جانے کے عذر کا سہارا لے کر اپنی مقدور بھر کوشش بھی چھوڑ بیٹھے، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ مقدور بھر اس سے خلاصی کی تدبیر میں لگا رہے اور اس کی کوشش کرے کہ اگر وہ دُنیا کے بازاروں سے سودی کاروبار کو ختم نہیں کرسکتا تو کم از کم اس کے کم کرنے کی جدوجہد میں لگا رہا ہے، کامیابی ہو یا نہ ہو، بازاروں اور تجارتی حلقوں کا رُخ بدلنا تو اپنے قبضے میں نہیں، لیکن اس راستے میں اپنی مقدور بھر کوشش صرف کرنے کی نیت سے بنامِ خدا تعالیٰ پہلے یہ رسالہ لکھا گیا ہے جس میں رِبا (سود) کی شرعی تعریف اور اس کے اقسام کے متعلق قرآن و حدیث کے اَحکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ کم از کم علمی اور فکری غلطی سے تو نجات حاصل ہوسکے، اور ارادہ یہ ہے کہ اس کے بعد معاشی حیثیت سے معاشیات ہی کے اُصول پر سود کی نامعقولیت اور تباہ کن اثرات کا بیان کیا جائے اور بلاسود بینکاری کے نظام کا ایک خاکہ شرعی اور فقہی اُصول کے مطابق پیش کیا جائے۔

نیز ''بیمہ زندگی''، ''پراویڈنٹ فنڈ'' کی شرعی حیثیت اور قمار (جوے) کے ضروری اَحکام و مسائل اور رائج الوقت معاملات جن میں سود یا قمار شامل ہے، اور ان کی تفصیل اور ان میں سود و قمار سے بچنے کی کوئی شرعی تدبیر ممکن ہو تو اس کا بیان مختلف حصوں اور رسالوں کی صورت میں کیا جائے۔

الحمدللہ! اس رسالے کی طبعِ ثانی کے وقت مذکورہ مسائل پر مندرجہ ذیل رسائل تیار ہو چکے ہیں، جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں، اور بعض زیرِ طبع ہیں۔

''تقسیمِ دولت کا اسلامی نظام'' جس میں معاشیات کے اس بنیادی مسئلے کا تجزیہ کر کے سود کی نامعقولیت اور تباہ کن اثرات کا بیان ہے۔

''بلاسود بینکاری'' جس میں فقہِ اسلامی کی رُو سے ایک ایسا نظام پیش کیا گیا ہے جس پر جائز اور نفع بخش طریق سے بینکاری کا نظام چلایا جاسکتا ہے، جس کو بینکنگ کے ماہرین نے قابلِ عمل تسلیم کیا ہے۔

''بیمہ زندگی''، ''پراویڈنٹ فنڈ''، ''اَحکامِ قمار'' اور ''اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی؟''

ان رسائل کا مقصد

عین اس وقت جبکہ میں اس رسالے کی تصنیف کا عزم کر کے کافی محنت برداشت کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، یہ بات میری نظروں سے اوجھل نہیں کہ دین دار اور اَحکامِ دین سے عام غلفت کے دور میں اگر ہم نے کوئی ایسا رسالہ لکھ ہی دیا تو وہ نقارخانے میں طوطی کی صدا کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ اور اس سے ہمارے بازاروں کی اصلاح میں کیا مدد مل سکتی ہے؟ اور آج کل کے ہوشیار دانشمندوں کی طرف سے اس کے صلے میں جو بے وقوفی اور سادہ لوحی کے القاب کا انعام ملے گا وہ مزید برآں۔ یہ خیالات سامنے آ کر بار بار قلم کو روکنے اور ہمت کو پست کرنے لگتے ہیں۔

لیکن چند روشن فوائد بحمداللہ ان سب وساوس پر غالب ہیں اور ان ہی کے لئے بعونہٖ تعالیٰ یہ رسالہ لکھا جا رہا ہے۔

اوّل:- مسلمانوں کو ایک حرام چیز کا حرام اور دُنیا و آخرت کے لئے وبالِ عظیم ہونا معلوم ہوکر کم از کم ان کا علم صحیح ہو جائے اور یہ خود ایک بڑا فائدہ ہے کہ بیمار اپنی بیماری سمجھنے لگے تو شاید کسی وقت علاج کی طرف بھی توجہ ہو جائے، ہر مسئلے کے متعلق مسلمان پر دو فرض عائد ہیں، پہلے اس کا علم قرآن و سنت ہی سے حاصل کرنا، دُوسرے اس کے مطابق عمل کرنا، اگر غفلت یا کسی معاشی مجبوری سے ایک آدمی گناہ میں مبتلا ہے تو کم از کم ایسا تو نہ رہے کہ اس گناہ کو گناہ بھی نہ سمجھے اور اس طرح ایک گناہ کے دو گناہ بنالے، ایک علمی، دُوسرا عملی، اور ایک گناہگار جب اپنے آپ کو گناہگار سمجھے اور اس کا استحضار بھی ہو جائے تو اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو جانا بعید نہیں۔

دوم:- یہ کہ کسی بے فکرے بیمار کو اس کی بیماری بتلا دینے کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ علاج کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس طرح مسلمان کو جب کسی کام کا انجامِ بد اور وبالِ آخرت معلوم ہو جائے تو کسی نہ کسی وقت اس سے اُسے بچنے کا کم از کم خیال تو آئے گا، اور یہ خیال بعض اوقات عزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو تمام مشکلات کے پہاڑوں کو راہ سے ہٹا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

سوم:- اسلام کا قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے کہ دُنیا پر کیسے ہی دور آئیں، کتنی ہی جہالت اور غفلت عام ہو جائے، حق پر قائم رہنا کتنا ہی مشکل ہو جائے، لیکن ہر دور میں کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ساری مشکلات کا مقابلہ کر کے دین کی صحیح راہ پر قائم رہتے ہیں، ان کے لئے بہرحال یہ رسالہ ایک مشعلِ راہ ہوگا، وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

عام مسلمانوں سے اپیل

لیکن یہ فوائد بھی محض کتاب لکھ دینے یا چھاپ دینے سے اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ عام مسلمان خصوصاً تجارت پیشہ حضرات اس کو عام کرنے اور ہر مسلمان تاجر تک پہنچانے میں تعاون نہ کریں، اس لئے ضروری ہے کہ جو حضرات اس فریضے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں اس کام کو تبلیغِ دین کا اہم مقصد قرار دے کر اس میں پوری توجہ دیں، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رِبا کی تعریف اور سود و رِبا میں فرق!

قرآنِ حکیم میں جس چیز کو بلفظِ ''رِبا'' حرام قرار دیا ہے اس کا ترجمہ اُردو زبان کی تنگ دامانی کے باعث عام طور پر لفظِ ''سود'' سے کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ رِبا اور سود دونوں عربی اور اُردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ ''رِبا'' ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے، مروّجہ سود بھی اسی کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے۔ مروّجہ سود ''ایک معین مقدار روپیہ متعین میعاد کے لئے اُدھار دے کر معین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینے کا نام ہے'' اور بلاشبہ یہ بھی رِبا کی تعریف میں داخل ہے، مگر ''رِبا'' اس میں منحصر نہیں، اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے، اس میں بہت سے وہ معاملات بیع وشراء بھی داخل ہیں جن میں اُدھار کا لین دین قطعاً نہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی عموماً ''رِبا'' صرف اسی کو کہتے اور سمجھتے تھے جس کو آج سود کہا جاتا ہے، یعنی اُدھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ زیادتی یا نفع لینا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''رِبا'' کے معنی کی وسعت بیان فرما کر بہت سی ایسی صورتوں کو بھی رِبا قرار دیا جن میں اُدھار کا معاملہ نہیں۔

رِبا کے لغوی اور اصطلاحی معنی

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ''رِبا'' کے معنی لغت کے اعتبار سے زیادتی،

بڑھوتری، بلندی کے آتے ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں ایسی زیادتی کو "رِبا" کہتے ہیں جو بغیرِ کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔ "الرّبا فِي اللُّغةِ الزّيادَةُ وَالمُرادُ فِي الْآيَةِ كُلُّ زِيادةٍ لا يُقابِلُها عوَضٌ"۔ (احکام القرآن ابن العربیؒ)

اس میں وہ زیادتی بھی داخل ہے جو روپیہ کو اُدھار دینے پر حاصل کی جائے، کیونکہ مال کے معاوضے میں تو راس المال پورا مل جاتا ہے، جو زیادتی بنام "سود" یا "انٹرسٹ" لی جاتی ہے وہ بے معاوضہ ہے، اور بیع وشراء کی وہ صورتیں بھی اس میں داخل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلا معاوضہ حاصل کی جائے جس کی تفصیل اس رسالے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر جاہلیت عرب کے زمانے میں لفظِ "رِبا" صرف پہلی قسم کے لئے بولا جاتا تھا، دُوسری اقسام کو وہ "رِبا" میں داخل نہ سمجھتے تھے۔

اس "رِبا" کی مختلف صورتیں مختلف خطوں میں رائج تھیں، عرب میں اس کا اکثر رواج اس طرح تھا کہ ایک معین رقم معین مدّت کے لئے معین مقدارِ سود پر دے دی جاتی تھی، قرض خواہ نے اگر میعادِ مقرّرہ پر واپس کردی تو مقرّرہ سود لے کر معاملہ ختم ہوگیا، اور اگر اس وقت واپس نہ کرسکا تو آئندہ کے لئے مزید سود کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ بہرحال "رِبا" کی حقیقت جو نزولِ قرآن سے پہلے بھی سمجھی جاتی تھی یہ تھی کہ قرض دے کر اس پر نفع لیا جائے، "رِبا" کی یہ تعریف ایک حدیث میں بھی ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:-

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ منفعَةً فَهُوَ رِبٰوا.

یعنی جو قرض کچھ نفع کمائے وہ رِبا ہے۔

یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں نقل کی اور فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو ضعیف بتلایا ہے لیکن اس کی دُوسری شرح سراج المنیر میں عزیزی نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں: "قال الشيخ حديث حسن لغيره" یعنی یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دُوسری روایات و آثار

سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح للعمل ہے، اس لئے اس کو استدلال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ ''ربا'' کا یہ مفہوم کہ قرض دے کر کچھ نفع لیا جائے، پہلے سے معروف ومشہور اور تمام عرب میں جانا پہچانا ہوا تھا۔ یہ حدیث بھی نہ ہوتی تو صرف لغتِ عرب اس کے بتلانے کے لئے کافی تھا جس کے حوالے عنقریب آپ دیکھیں گے، اور اس رسالے کے آخر میں جو احادیث حرمتِ ربا کے متعلق درج ہیں ان میں حدیث نمبر ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰ میں اس شخص کا ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت ہے جس کے ذمے آپ کا قرض ہو اور پہلے سے اس طرح کے ہدیے تحفے کے معاملات آپس میں جاری نہ ہوں تو ایسا ہدیہ قبول کرنے کو اسی لئے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ بھی ایک طرح سے قرض دے کر نفع حاصل کرنا ہے، اس سے بھی ثابت ہوا کہ ''رِبا'' ہر اس زیادتی کا نام ہے جو قرض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو، خواہ وہ شخصی اور صَرفی سود ہو یا جماعتی اور تجارتی۔ اسی طرح حدیث نمبر ۴۶ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ''رِبا'' کی تعریف یہی کی ہے "اخر لی وانا ازدک" یعنی قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ تم قرض کی میعاد اور بڑھادو تو میں اتنی رقم اور زیادہ دوں گا، جس سے معلوم ہوا کہ قرض کی میعاد بڑھانے کے معاوضے اور زیادتی کا نام ''رِبا'' ہے، اور ربا کا لین دین عرب کے معاملات میں عام تھا، اوائلِ اسلام میں بھی یہ معاملات اسی طرح چلتے رہے، تقریباً ہجرتِ مدینہ کے آٹھویں سال فتحِ مکہ کے موقع پر آیاتِ رِبا نازل ہوئیں جن میں ربا کو حرام قرار دیا گیا۔

آیاتِ قرآن کو سنتے ہی رِبا کے متعارف معنی ''قرض اُدھار پر نفع لینا'' یہ تو اسی وقت سب نے سمجھ لیا اور اس کو قطعاً حرام سمجھ کر فوراً ترک کردیا۔

لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرضِ منصبی کے مطابق ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے رِبا کے جو معنی بیان فرمائے ان میں اور ایک قسم کا اضافہ تھا جس کو پہلے سے عرب میں رِبا کے اندر داخل نہ سمجھا جاتا تھا۔

رِبا کی دُوسری قسم یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى، اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ. (مسلم عن ابی سعید)

ترجمہ:- سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے اور گندم گندم کے بدلے، اور جو جو کے بدلے اور چھوارے چھوارے کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے میں اگر لیا اور دیا جائے تو ان کا لین دین برابر برابر بدست ہونا چاہئے، اس میں کمی بیشی (یا اُدھار) رِبا کے حکم میں ہے، جس کے گناہ میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

یہ حدیث نہایت صحیح اور قوی اسانید کے ساتھ تمام کتبِ حدیث میں بعنواناتِ مختلفہ منقول ومشہور ہے، اس حدیث سے ایک نئی قسم کا رِبا کے حکم میں داخل ہونا معلوم ہوا کہ چھ چیزیں جن کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے، اگر ان چیزوں کا باہمی تبادلہ اور بیع کی جائے تو اس میں کمی بیشی کرنا بھی رِبا ہے اور اُدھار کرنا بھی رِبا ہے، خواہ اس اُدھار میں مقدار کی کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر لیا دیا جائے۔ چونکہ رِبا کا مشہور اور متعارف مفہوم قرض دے کر اس پر نفع لینا تھا، وہ سب صحابہ کرامؓ نے پہلے ہی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، مگر رِبا کی یہ قسم جو حدیث میں بیان کی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے امام اور فقیہ صحابی کو بھی شروع میں جب تک حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس روایت کا علم نہ تھا جو اُوپر نقل کی گئی ہے تو اس قسم رِبا کے حرام ہونے کے قائل نہ تھے (کما رواہ مسلم) پھر جب حضرت ابوسعیدؓ نے یہ روایت

حضرت ابن عباسؓ کو سنائی تو انہوں نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا اور اپنی غلطی پر استغفار فرمایا۔ (نیل الاوطار بروایت حاکم)

رِبا کی تشریح کے متعلق حضرت فاروقِ اعظمؓ کا ارشاد

رِبا کی یہی وہ قسم تھی جس کی تفصیلات کے تعین میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اشکال پیش آیا، کیونکہ حدیث میں صرف چھ چیزوں کا نام لے کر ان میں کمی بیشی اور اُدھار کو بحکمِ ربا قرار دیا گیا ہے، مگر الفاظِ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ حکم صرف انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا کسی ضابطے کے تحت اور چیزیں بھی اس میں داخل ہیں، اور چونکہ آیاتِ ربا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئیں اس کے متعلق حدیثِ مذکور کی مزید تشریح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کا کسی کو اتفاق نہ ہوا، اس لئے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر اظہارِ افسوس فرمایا کہ کاش ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی پوری تشریح کرلی ہوتی، اسی کے ساتھ اور بھی چند مسائل جن میں ابہام باقی رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تشریح معلوم کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، ان پر بھی اسی سلسلے میں اظہارِ افسوس فرمایا، فاروقِ اعظمؓ کے الفاظ یہ ہیں:-

ثَلاثٌ وَدِدْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَيْنَا فِيْهِنَّ عَهْدًا، اَلْجَدُّ وَالْكَلالَةُ وَاَبْوَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا۔ (ابن كثير في التفسير وابن ماجة وابن مَرْدَوْيَة)

ترجمہ:- تین مسائل ایسے ہیں کہ مجھے یہ تمنا رہ گئی کہ کاش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہم سے مزید تشریحات بیان فرمادیتے، دو مسئلے تو فرائضِ میراث کے ہیں، (یعنی) دادا اور کلالہ کی میراث، اور تیسرا مسئلہ رِبا کے بعض ابواب و اقسام کی تشریح۔

فاروقِ اعظم[۱] رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں ابواب رِبا سے یہی تشریحات مراد ہیں کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی ہیں اور دُوسری کچھ اشیاء بھی اسی حکم میں داخل ہیں، اور اگر دُوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ایک ضابطہ بتایا اور دُوسری اشیاء کو بھی اسی ضابطے کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور و معروف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرض و اُدھار پر نفع لینا تو رِبا کا مفہوم پہلے سے معلوم و مشہور تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں بیع و شراء کی بعض صورتوں کا بھی بحکمِ رِبا ہونا معلوم ہوا۔

اسی لئے عام طور پر علماء نے لکھا ہے کہ رِبا کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم کو ربا النسیئة اور رِبا الجاهلیة کہا جاتا ہے، اور دُوسری قسم کو رِبا النقد یا ربا البیع یا رِبا الفضل کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، اور چونکہ پہلی قسم خود الفاظِ قرآن سے قبل بیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی واضح تھی، اس لئے بعض فقہاء نے اس قسم کو رِبا القرآن کے نام سے بھی موسوم کیا، اور دُوسری قسم چونکہ محض الفاظِ قرآن سے نہیں سمجھی گئی، بلکہ بیانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی اس کو ربا الحدیث کہا گیا۔

رِبا الجاہلیت کیا تھا؟

اُوپر بتلایا گیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا اصطلاحی رِبا اس زیادتی کا نام تھا جو

---

(۱) حضرت فاروقِ اعظمؓ نے خود ایک خطبے میں اس کا اعلان فرمایا ہے کہ مسئلۂ ربا کی تشریحات معلوم نہ ہونے سے ان کا کیا مطلب ہے؟ اس خطبے کے الفاظ اسی کتاب کے آخر میں حدیث نمبر ۴۴ ملاحظہ ہو۔

قرض کی مہلت کے بدلے میں مدیون سے لی جاتی تھی، اس کے شواہد علمائے لغت، ائمہ تفسیر و حدیث کے حوالوں سے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱:- لسان العرب جو لغتِ عرب کی نہایت مستند کتاب ہے:-

اَلرِّبَا رِبَوَان وَالْحَرَامُ كُلُّ قَرْضٍ يُؤْخَذُ بِهٖ أَكْثَرُ مِنْهُ أَوْ يُجَرُّ بِهٖ مَنْفَعَةٌ.

ترجمہ:- ربا کی دو قسمیں ہیں، اور حرام ہر وہ قرض ہے جس پر کچھ زیادہ لیا جائے یا قرض سے کوئی منفعت حاصل کی جائے۔

۲:- نہایہ ابن اثیرؒ جو خاص لغتِ حدیث کی شرح کے لئے نہایت مستند مُسلّم ہے:-

تَكَرَّرَ ذِكْرُ الرِّبَا فِي الْحَدِيْثِ وَالْأَصْلُ فِيْهِ الزِّيَادَةُ عَلٰى رَأْسِ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ عَقْدِ تَبَايُعٍ.

ترجمہ:- رِبا کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ بغیر عقدِ بیع کے راس المال پر کوئی زیادتی لینا اس کا نام رِبا ہے۔

۳:- تفسیر ابن جریر طبریؒ جو اُمّ التفاسیر سمجھی جاتی ہے اس میں ہے:-

وَحَرَّمَ الرِّبَا يَعْنِي الزِّيَادَةَ الَّتِيْ يُزَادُ لِرَبِّ الْمَالِ بِسَبَبِ زِيَادَةِ عزيمه فِي الْأَجَلِ وَتَأْخِيْرِ دَيْنِهٖ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- رِبا حرام ہے، رِبا سے مراد وہ زیادتی ہے جو مال والے کو ملتی ہے اس لئے کہ اس کے قرض دار نے میعاد میں زیادتی کر کے ادائیگی قرض میں دیر کردی۔

۴:- تفسیرِ مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ میں ہے:-

اَلرِّبٰوا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَيُرْبِي

الصَّدَقٰتِ، وَالْمَعْنٰی أَنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ الزِّیَادَۃَ فِی الْقَرْضِ عَلٰی الْقَدْرِ الْمَدْفُوْعِ.

ترجمہ:- رِبا کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں، اسی لئے قرآن میں یُرْبِی الصَّدَقٰتِ آیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے، اور معنی حرمتِ رِبا کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرض میں دیئے ہوئے مال سے زائد لینے کو حرام قرار دیا ہے۔

۵:- تفسیرِ کبیر امام رازیؒ:-

اِعْلَمْ أَنَّ الرِّبٰوا قِسْمَانِ، رِبَا النَّسِیْئَۃِ وَرِبَا الْفَضْلِ، أَمَّا رِبَا النَّسِیْئَۃِ فَھُوَ الْأَمْرُ الَّذِیْ کَانَ مَشْھُوْرًا مُتَعَارَفًا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَذٰلِکَ أَنَّھُمْ کَانُوْا یَدْفَعُوْنَ الْمَالَ عَلٰی أَنْ یَأْخُذُوْا کُلَّ شَھْرٍ قَدْرًا مُعَیَّنًا وَیَکُوْنُ رَأْسُ الْمَالِ بَاقِیًا، ثُمَّ اِذَا حَلَّ الدَّیْنُ طَالَبُوا الْمَدْیُوْنَ بِرَأْسِ الْمَالِ فَاِنْ تَعَذَّرَ عَلَیْہِ الْأَدَاءُ زَادُوْا فِی الْحَقِّ وَالْأَجَلِ فَھٰذَا ھُوَ الرِّبٰوا الَّذِیْ کَانُوْا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ یَتَعَامَلُوْنَ بِہٖ، وَأَمَّا رِبَا النَّقْدِ فَھُوَ أَنْ یُّبَاعَ مَنٌّ الْحِنْطَۃِ بِمَنَوَیْنِ مِنْھَا وَمَا أَشْبَہَ ذٰلِکَ.

ترجمہ:- سمجھ لو کہ رِبا کی دو قسمیں ہیں، ایک اُدھار کا رِبا، دُوسرا نقد پر زیادتی کا رِبا۔ پھر اُدھار کا رِبا وہی ہے جو زمانۂ جاہلیت سے مشہور و متعارف چلا آتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا روپیہ اُدھار پر اس شرط سے دیتے کہ اتنا روپیہ اس کا ماہوار سود دینا ہوگا اور رأس المال بدستور باقی رہے گا، پھر جب قرض کی میعاد پوری ہوجاتی تو وہ قرض دار سے اپنا رأس المال طلب کرتے، اگر قرض دار اس وقت ادا کرنے سے عذر کرتا تو وہ

میعاد میں اور زیادتی کر دیتے اور اس کا سود بڑھا دیتے تھے، ربا کی یہ قسم زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی۔ اور ربا النقد (جس کا بیان حدیث میں آیا ہے) یہ ہے کہ گیہوں کے ایک من کے بدلے میں دو من لیا جائے اور اسی طرح دُوسری اشیاء۔

۶:- اَحکام القرآن ابن العربی مالکیؒ:-

وَكَانَ الرِّبٰوا عِنْدَهُمْ مَعْرُوْفًا (الی) أَنَّ مَنْ زَعَمَ أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مُجْمَلَةٌ فَلَمْ يَفْهَمْ مَقَاطِعَ الشَّرِيْعَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ اِلٰى قَوْمٍ هُوَ مِنْهُمْ بِلُغَتِهِمْ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ تَيْسِيْرًا مِّنْهُ بِلِسَانِهِ وَلِسَانِهِمْ، وَالرِّبَا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ وَالْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ كُلُّ زِيَادَةٍ لَّا يُقَابِلُهَا عِوَضٌ.

ترجمہ:- لفظ ''ربا'' عرب میں مشہور و معروف تھا، اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ آیت مجمل ہے، اس نے شریعت کے قطعی مقاصد کو نہیں سمجھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ایسی قوم کی طرف بھیجا جس میں وہ خود بھی داخل تھے اور انہیں کی زبان میں بھیجا، اور اپنی کتاب بھی ان کی زبان میں اُتاری تاکہ ان کے لئے آسان ہو جائے، اور ''ربا'' لغتِ عرب میں زیادتی کو کہتے ہیں اور مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں مالی عوض نہ ہو (جیسے قرض پر زیادتی لینا)۔

۷:- اَحکام القرآن ابوبکر جصاص حنفیؒ:-

فَمِنَ الرِّبَا مَا هُوَ بَيْعٌ وَّمِنْهُ مَا لَيْسَ بَيْعٌ وَهُوَ رِبَا أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوْطُ فِيْهِ الْأَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ.

ترجمہ:- رِبا کی ایک قسم وہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے، دُوسرا وہ جو بیع میں نہیں ہوتا اور یہی رِبا اہلِ جاہلیت میں جاری تھا جس کی حقیقت یہ ہے کہ قرض کسی میعاد کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا اس پر کچھ زیادتی ادا کرے گا۔

۸:- بدایۃ المجتہد ابنِ رُشد مالکیؒ:-

رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ الَّذِیْ نُهِیَ عَنْهُ وَذٰلِکَ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَسْلِفُوْنَ بِالزِّيَادَةِ فَيَنْظُرُوْنَ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: أَنْظِرْنِیْ أَزِدْکَ، وَهٰذَا هُوَ الَّذِیْ عَنَاهُ بِقَوْلِهٖ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: أَلَا! إِنَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ.

ترجمہ:- رِبا الجاہلیۃ جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ لوگ قرض پر کچھ زیادتی کی شرط کر کے قرض دیا کرتے تھے، پھر میعادِ مقرّر پر مزید مہلت مزید سود لگا کر دیتے تھے، یہی وہ رِبا ہے جس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں باطل قرار دیا ہے۔

مذکور الصدر حوالوں سے یہ واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ لفظِ ''رِبا'' ایک مخصوص معاملے کے لئے عربی زبان میں نزولِ قرآن سے پہلے سے متعارف چلا آتا تھا اور پورے عرب میں اس معاملہ کا رواج تھا، وہ یہ کہ قرض دے کر اس پر کوئی نفع لیا جائے، اور عرب صرف اسی کو رِبا کہتے اور سمجھتے تھے، اسی رِبا کو قرآنِ کریم نے حرام فرمایا اور اسی کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ربا الجاہلیۃ کے نام سے موسوم فرما کر باطل قرار دیا۔

تفسیرِ قرطبی میں ہے:-

وَذٰلِکَ أَنَّ الْعَرَبَ لَا تَعْرِفُ رِبًا إِلَّا ذٰلِکَ (إِلٰی) فَحَرَّمَ

سُبْحَانَهُ ذٰلِکَ وَرَدَّ عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ: وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (ثُمَّ قَالَ) وَهٰذَا الرِّبَا هُوَ الَّذِىْ نَسَخَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ: اَلَا! اِنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ.

اس میں نہ کوئی ابہام تھا، نہ اجمال، نہ کسی کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ایک منٹ کا تأمل یا تردد پیش آیا، البتہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باشاراتِ وحیٔ الٰہی اس کے مفہوم میں چند اور معاملات کا اضافہ فرمایا، چھ چیزوں کی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی یا اُدھار کرنے کو بھی رِبا میں داخل قرار دیا، اسی لئے اس قسم کو ''رِبا الحدیث'' یا ''رِبا الفضل'' یا ''رِبا النقد'' وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ عربی لغت اور اہلِ جاہلیت کے متعارف مفہوم سے ایک زائد چیز تھی، اس کی تفصیلات بھی پوری تشریح کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی تھیں، اسی لئے اس کی تشریحات میں حضرت فاروقِ اعظمؓ اور صحابہ کرامؓ کو کچھ اشکالات پیش آئے اور بالآخر انہوں نے اپنے اجتہاد سے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے جس چیز میں سود کا شبہ اور شائبہ بھی محسوس کیا، اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔

فاروقِ اعظمؓ کا ارشاد: ''فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيْبَةَ'' یعنی سود کو بھی چھوڑ دو اور جس میں سود کا شبہ ہو اس کو بھی چھوڑ دو، اسی کے بارے میں آیا ہے۔

شبہات اور غلط فہمیاں

مسئلۂ سود میں بعض لوگوں نے تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو آڑ بنالیا جو سود کی اس خاص قسم کے بارے میں ارشاد ہوا تھا جس کا آج کل کے مروّجہ سود کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں، یعنی چھ چیزوں کی باہمی بیع و شراء کا مسئلہ، جیسا کہ آپ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں، انہوں نے اس قول سے یہ نتیجہ نکالا کہ رِبا کی حقیقت ہی مبہم رہ گئی تھی، اس کے متعلق جو کچھ علماء، فقہاء نے لکھا وہ گویا صرف ان کا

اجتہاد تھا۔ مگر میں وضاحت کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کو صرف اس قسمِ رِبا کے متعلق تردّد پیش آیا جو قرآن کے الفاظ میں مصرّح نہیں تھا اور لغتِ عرب اور رُسومِ عرب میں بھی اس کو رِبا نہیں کہا جاتا تھا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان نے اس کو مفہومِ رِبا میں داخل قرار دیا، وہ چھ چیزوں کی آپس میں بیع و شراء کا معاملہ تھا۔

جو سود آج کل رائج ہے اور جس میں ساری بحث ہے، اس سے ان کے اس ارشاد کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، اور ہو کیسے سکتا تھا جبکہ جاہلیتِ عرب سے اس کے معاملات رائج اور جاری تھے اور ابتدائے اسلام میں جاری رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس کا کاروبار کرتی تھی اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں اس قرآنی فیصلے کا اعلان کرنا پڑا کہ پچھلے زمانے کے جو سودی معاملات آپس میں چل رہے ہیں، ان کے چکانے اور لینے دینے میں بھی صرف رأس المال لیا اور دیا جائے گا، سود و رِبا کی رقم کا لین دین جائز نہ ہوگا۔

پھر اشیائے ستہ کے سود کے متعلق جو حضرت عمرؓ کو اشکال پیش آیا، وہ بھی اس میں نہیں کہ ان اشیائے ستہ کے سود کو حرام سمجھنے میں ان کو کوئی تردّد تھا، بلکہ اشکال صرف یہ تھا کہ شاید یہ حکم اشیائے ستہ تک محدود نہ ہو اور اشیائے ستہ کا تذکرہ حدیث میں بطور مثال لایا گیا ہو، اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ دُوسری اشیاء کی بیع و شراء میں بھی سود کی صورت پیدا ہوجائے، اسی لئے جس روایت میں حضرت عمرؓ کا یہ قول منقول ہے کہ ''ہم ابوابِ رِبا کی پوری تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرسکے''، اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: ''فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّیْبَۃَ'' (رواہ ابن ماجۃ والدارمی) یعنی اس اشتباہ کا اثر مسلمانوں کے لئے یہ ہونا چاہئے کہ رِبا کو تو چھوڑنا ہی ہے، جس چیز میں رِبا کا شبہ بھی ہوجائے اس کو بھی چھوڑ دیں۔

پھر یہ ارشاد صرف خیال کے درجے میں نہیں رہا بلکہ فاروقِ اعظمؓ نے اس احتیاط کو اپنا دستور العمل بنالیا تھا جیسا کہ امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"ترکنا تسعة اعشار الحلال مخافة الربوٰا" (ذکرہ فی الکنز برمز عبدالرزاق فی الجامع) یعنی ہم نے نوے فی صد معاملات کو حلال ہونے کے باوجود اس لئے چھوڑ دیا کہ ان میں سود کا خطرہ تھا۔ حیرت کا مقام ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تو اشکال کا نتیجہ یہ نکالیں کہ منصوص چیزوں کے علاوہ غیر منصوص چیزوں میں بھی ایسے معاملات سے احتیاطاً پرہیز کریں اور یہ حضرات ان کے اشکال کو مخصوص قسمِ سود سے ہٹا کر عام سود و رِبا کی طرف کھینچ لے گئے، پھر اس کا نتیجہ یہ نکالا کہ سرے سے رِبا کی حرمت ہی ایک مشتبہ مسئلہ ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

دُوسرا شبہ: شخصی سود اور تجارتی سود میں فرق

بہت سے لکھے پڑھے سنجیدہ لوگوں کو بھی ایک شبہ میں مبتلا پایا، وہ یہ ہے کہ قرآن میں رِبا اس خاص سود کے لئے آیا ہے جو قدیم زمانے میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ اپنی مصیبت میں کسی سے قرض لے اور وہ اس پر سود لگائے، جو بے شک ظلم اور سخت دِلی ہے کہ بھائی کی مصیبت سے فائدہ اُٹھایا جائے، آج کل کا مروّجہ سود بالکل اس سے مختلف ہے، آج سود دینے والے مصیبت زدہ غریب نہیں بلکہ متموّل سرمایہ دار تجار ہیں، اور غریب ان کو دینے کے بجائے ان سے سود وصول کرتا ہے، اس میں تو غریبوں کا فائدہ ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں رِبا کی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں، مختلف سورتوں کی سات آٹھ آیتوں میں آیا، اور چالیس سے زیادہ احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی، ان میں سے کسی ایک جگہ، کسی ایک لفظ میں بھی اس کا اشارہ موجود نہیں کہ یہ حرمت صرف اس رِبا کی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دیا جاتا تھا، تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے، پھر کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم میں سے کسی چیز کو محض اپنے خیال سے

مستثنیٰ کردے؟ یا عام ارشاد کو خاص کردے؟ یا مطلق کو بلاکسی دلیلِ شرعی کے مقید و محدود کردے؟ یہ تو کھلی تحریف قرآن ہے، اگر خدانخواستہ اس کا دروازہ کھلے تو پھر شراب کو بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ شراب حرام تھی جو خراب قسم کے برتنوں میں سڑا کر بنائی جاتی تھی، اب تو صفائی ستھرائی کا اہتمام ہے، مشینوں سے سب کام ہوتے ہیں، یہ شراب اس حکم میں داخل ہی نہیں۔ قمار کی بھی جو صورت عرب میں رائج تھی جس کو قرآن کریم نے "میسر" اور "اَزْلام" کے نام سے حرام قرار دیا ہے، آج وہ قمار موجود ہی نہیں، آج تو لاٹری کے ذریعے بڑے بڑے کاروبار اس پر چلتے ہیں، معمہ بازی کا کاروبار بڑے اخباروں، رسالوں کی رُوح بنا ہوا ہے، تو کہا جائے گا یہ اس قمارِ حرام میں داخل ہی نہیں۔ اور پھر تو زنا، فواحش، چوری، ڈاکا سبھی کی صورتیں پچھلی صورتوں سے بدلی ہوئی ملیں گی، سبھی کو جائز کہنا پڑے گا۔ اگر یہی مسلمانی ہے تو اسلام کا تو خاتمہ ہوجائے گا، اور جب محض چولہ بدلنے سے کسی شخص کی حقیقت نہیں بدلتی تو جو شراب نشہ لانے والی ہے وہ کسی پیرایہ اور کسی صورت میں ہو بہرحال حرام ہے۔ جوا اور قمار مروّجہ معمول کی نظر فریب شکل میں ہو یا لاٹری کی دُوسری صورتوں میں بہرحال حرام ہے۔ فحش و عریانی اور بدکاری قدیم طرز کے چکلوں میں ہو یا جدید طرز کے کلبوں، ہوٹلوں، سینماؤں وغیرہ میں ہو، بہرحال حرام ہے۔ اسی طرح سود و رِبا یعنی قرض پر نفع لینا خواہ قدیم طرز کا مہاجنی سود ہو یا نئی قسم کا تجارتی اور بینکوں کا، بہرحال حرام ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت عرب میں تجارتی سود کا رواج تھا، وہ بھی حرام قرار دیا گیا

اس کے علاوہ تاریخی طور سے مسئلۂ رِبا پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال بھی غلط ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں رِبا کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی

غریب آدمی اپنی شخصی مشکلات کے حل کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرے، تجارت کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہ تھا، بلکہ آیاتِ رِبا کا شانِ نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمتِ رِبا کا اصل نزول تجارتی سود ہی کے واقعے میں ہوا ہے کیونکہ عرب اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ حضرات تھے، اور عام طور پر تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے۔ شرح بخاری عمدۃ القاری میں زید بن ارقم، ابنِ جریج، مقاتل ابنِ حبان اور ہندی ائمہ تفسیر سے آیت "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا .... الخ" کے شانِ نزول کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:-

> قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان بنی عمرو بن عمیر اور قبیلہ بنو مخزوم کے ایک خاندان بنو مغیرہ کے آپس میں زمانۂ جاہلیت سے سود کا لین دین چلا آتا تھا، ان میں سے بنو مغیرہ مسلمان ہوگئے اور سنہ ۹ھ میں قبیلۂ ثقیف جو طائف کے رہنے والے ہیں ان کا ایک وفد عمرو بن مغیرہ وابنِ عمیر وغیرہ کی قیادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگیا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)، مسلمان ہونے کے بعد آئندہ کے لئے سودی کاروبار سے تو سب تائب ہو چکے تھے، لیکن پچھلے معاملات کے سلسلے میں بنو ثقیف کے سود کی ایک بڑی رقم بنو مغیرہ کے ذمے واجب الادا تھی، انہوں نے اپنی رقم سود کا مطالبہ کیا، بنو مغیرہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم سود ادا نہیں کریں گے، کیونکہ سود کا لینا جس طرح حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے۔ یہ جھگڑا مکہ میں پیش آیا تو مقدمہ عتاب بن اُسیدؓ کی عدالت میں پیش ہوا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر فرمادیا تھا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو

ان کے ساتھ تعلیمِ قرآن وسنت کے لئے مقرر کردیا تھا، چونکہ سابقہ معاملے کی رقم سود کا مسئلہ قرآن میں صاف مذکور نہ تھا اس لئے حضرت عتاب بن اُسیدؓ نے، اور رُوح المعانی کی روایت میں حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اس معاملے کے متعلق دریافت کیا کہ فیصلہ کیا کیا جائے؟ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خط پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ آسمان سے سورۂ بقرہ کی دو مستقل آیتوں میں نازل فرمادیا: "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا .... الخ" جن کا حاصل یہ ہے کہ حرمتِ ربا نازل ہونے سے پہلے جو سود لیا جاچکا ہے اس کی معافی تو سورۂ بقرہ کی آیت:۱۷۵ میں پہلے ہی نازل ہوچکی تھی لیکن جو سود کی رقم اب تک کسی کے ذمے واجب الادا باقی ہے اس کا لینا اور دینا اب جائز نہیں، اب صرف رأس المال لیا اور دیا جائے گا، اس کے مطابق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتابؓ بن اُسید کو یہ جواب لکھ بھیجا کہ اب سود کی رقم لینا اور دینا جائز نہیں۔

آیاتِ قرآن سن کر سب نے باتفاقِ رائے عرض کیا کہ ہم نے توبہ کی، اب سود کی رقم کا مطالبہ نہ کریں گے۔

(عمدۃ القاری ج:۱۱ ص:۲۰۱)

یہ واقعہ تفسیر بحرِ محیط اور رُوح المعانی میں بھی کسی قدر فرق کے ساتھ مذکور ہے، اور تفسیر ابنِ جریر میں بروایت عکرمہ بھی ذکر کیا گیا ہے، اور اس کے بعض تاریخی اجزاء ابنِ کثیرؒ کی کتاب البدایہ والنہایہ سے لئے گئے ہیں۔ اور امام بغویؒ نے ان آیات کے نزول کے سلسلے میں ایک دُوسرا واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عباس اور

خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کا شرکت میں کاروبار تھا، اور ان کا لین دین طائف کے بنوثقیف کے ساتھ تھا، حضرت عباسؓ کی ایک بھاری رقم بحساب سود بنوثقیف کے ذمے واجب الادا تھی، انہوں نے اپنی سابقہ رقم کا بنوثقیف سے مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم قرآنی کا ماتحت اپنے چچا حضرت عباسؓ کو اپنی اتنی بڑی رقم. سود چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔

(تفسیر مظہری بحوالہ بغوی وتفسیر درمنثور بحوالہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

پھر اس فیصلے کا اعلان سنہ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کے خطبے میں اس تفصیل کے ساتھ فرمادیا:-

اَلَا! كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ.

(صحیح مسلم بروایت جابرؓ فی حجۃ الوداع)

ترجمہ:- خوب سمجھ لو! کہ جاہلیت کی ساری رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کے باہمی قتل وخون کے انتقام آئندہ کے لئے ختم کردیئے گئے ہیں، اور سب سے پہلا انتقام ہم اپنے رشتہ دار خاص ربیعہ بن حارث کا چھوڑتے ہیں جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لئے دیئے ہوئے تھے، ان کو ہذیل نے قتل کردیا تھا، (اسی طرح) زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا، اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا گیا وہ ہمارے چچا عباسؓ کا سود ہے کہ وہ سب کا سب ہم نے چھوڑ دیا۔

حجۃ الوداع کا یہ عظیم الشان مشہور و معروف خطبہ، اسلام میں ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے قتل و خون کے انتقاموں کو بھی ختم کردیا اور گزشتہ زمانے کے سودی معاملات کے سود کی رقموں کو بھی، اور حکیمانہ انداز میں اس کا اعلان فرمادیا کہ سب سے پہلے اپنے خاندان کے مطالبے چھوڑتے ہیں جو دُوسرے خاندانوں کے ذمے ہیں، تاکہ کسی کے دِل میں یہ وسوسہ نہ پیدا ہو کہ ہم پر یہ نقصان ڈال دیا گیا ہے۔ اور امام بغویؒ نے ہی ایک تیسرا واقعہ بروایت عطاءؒ و عکرمہؒ اور بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کی سود کی رقم جو کسی اور سوداگر کے ذمے تھی، اس کا مطالبہ کیا گیا تو آیاتِ مذکورہ کے ماتحت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روک دیا اور سود کی رقم چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا۔

مذکور الصدر تین واقعات جو ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں مستند کتبِ تفسیر و حدیث سے نقل کئے گئے ہیں، ان میں پہلے واقعے میں بنوثقیف کا سود ایک قریشی خاندان بنومغیرہ کے ذمے تھا، اور دُوسرے واقعہ میں اس کے برعکس قریش کا سود بنوثقیف کے ذمے تھا، اور تیسرے واقعے میں کسی خاندان کے تعین کے بغیر کچھ تجارت پیشہ لوگوں کا سود دُوسرے تاجروں کے ذمے تھا، اور حقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات پیش آئے ہوں اور سب سے متعلق یہ قرآنی فیصلہ نازل ہوا ہو۔ اور تفسیر درِمنثور کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں کسی واقعے کا حوالہ دیئے بغیر یہ فرمایا ہے کہ بنوثقیف کے ایک خاندان بنوعمرو اور قریش کے ایک خاندان بنومغیرہ کے آپس میں سود کا لین دین تھا (درمنثور بحوالہ ابی نعیم ج:۱ ص:۳۶۶) اس سے ظاہر یہی ہے کہ کبھی وہ اِن سے سودی قرض لیتے تھے، کبھی یہ اُن سے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ جن قبائل کے باہمی لین دین کا ذکر ہے وہ کسی حادثہ یا کسی ہنگامی ضرورت کے ماتحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس انداز سے کہ ان لوگوں کے درمیان یہ معاملات تجارتی کاروبار کی حیثیت سے

مسلسل جاری تھے، اس کے ثبوت کے لئے روایاتِ مذکورہ کے الفاظِ ذیل کو دیکھئے:-

۱:- كان بنو المغيرة يُربون لثقيف. (درِ منثور)

ترجمہ:- بنومغیرہ، ثقیف کو سود دیا کرتے تھے۔

۲:- كان ربًا يتبايعون به في الجاهلية. (درِ منثور)

ترجمہ:- یہ ایک رِبا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کرتے تھے۔

۳:- نزلت هذه الاٰية في العباس بن عبدالمطلب ورجل من بني المغيرة كانا شريكين في الجاهلية يسلفان في الربا الٰى ناس من ثقيف. (درِ منثور ج:۱ ص:۳۶۶)

ترجمہ:- یہ آیت حضرت عباسؓ اور بنی مغیرہ کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی، ان دونوں کا شرکت میں کاروبار تھا اور یہ ثقیف کے کچھ لوگوں کو سود پر روپیہ اُدھار دیا کرتے تھے۔

اور تفسیرِ قرطبی میں آیت: "فَلَهٗ مَا سَلَفَ" کے تحت میں لکھا ہے:-

هذا حكم من الله لمن اسلم من كفار قريش وثقيف ومن كان يتجر هنالک. (قرطبی ج:۳ ص:۳۶۱)

یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے متعلق ہے جو تجارت پیشہ کفار قریش وثقیف میں سے مسلمان ہوگئے تھے۔

یہ تمام الفاظ اس کی کھلی شہادت ہیں کہ ان لوگوں میں یہ سود کا لین دین کسی وقتی مصیبت یا حادثے کو رفع کرنے کے لئے یا شخصی اور صَرفی ضرورتوں کے لئے نہیں بلکہ اس انداز میں تھا جیسے ایک تاجر دُوسرے تاجر سے یا ایک کمپنی دُوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے، اور یہ لوگ رِبا کو بھی ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے، اسی لئے کہا تھا: "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" جس کو قرآنِ کریم نے رَدّ کرکے بیع و ربا میں فرق کیا، پھر بیع

کو حلال، رِبا کو حرام ٹھہرایا۔ آج بھی جو لوگ مہاجنی رِبا اور تجارتی رِبا میں فرق کر کے تجارتی رِبا کو بیع اور تجارت کی طرح جائز کہتے ہیں ان کا قول بھی انہیں کے مشابہ ہے جو "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہا کرتے تھے اور جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا، نعوذ باللہ منہ۔

اس جگہ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ طائف والوں کا قبیلہ بنوثقیف بڑا مال دار تجارت پیشہ تھا اور سودی کاروبار میں اُن کی خاص شہرت تھی، تفسیر بحرِ محیط میں ان کے متعلق نقل کیا ہے:-

كَانَتْ ثَقِيفُ اَكْثَرَ الْعَرَبِ رِبٰوا.

یعنی بنوثقیف سودی معاملات میں سارے عرب میں ممتاز تھے۔

اب ان واقعات سے حاصل شدہ نتائج کو سامنے رکھئے:-

۱:- بنوثقیف بڑا مال دار تجارت پیشہ، سودی کاروبار میں معروف قبیلہ ہے، اس کا سود بنی مغیرہ کے ذمہ ہے اور وہ بھی تجارت پیشہ متموّل لوگ ہیں۔

۲:- حضرت عباسؓ اور خالد بن ولیدؓ کا کاروبار ہے اور بنوثقیف جیسے مال دار لوگ ان سے سود پر روپیہ لیتے ہیں۔

۳:- حضرت عباسؓ اور عثمان غنیؓ ایک دُوسرے تاجر سے سود کا معاملہ کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ کا اضافہ کیجئے جو کنز العمال میں بروایت جامع عبدالرزاق حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:-

قَالَا سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا تَاجِرَيْنِ فَقَالَ: اِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ وَلَا يَصْلُحُ نَسِيْئَةً.

ترجمہ:- یہ فرماتے ہیں کہ: ہم دونوں تاجر تھے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملے کے متعلق مسئلہ دریافت کیا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دست بدست معاملہ ہو تو جائز ہے، اُدھار کا معاملہ اس طرح جائز نہیں (یعنی اُدھار پر زیادتی کے ساتھ)۔

۴:- جتنے معاملات سودی لین دین کے آیاتِ رِبا کے شانِ نزول میں مذکور ہیں، ان میں اکثر کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دُوسرے شخص سے نہیں بلکہ ایک قبیلہ دُوسرے قبیلے سے سود پر قرض لیتا ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ہر قبیلے کی تجارت میں اس کے بہت سے افراد کی شرکت ہوتی تھی، گویا عرب تاجروں کا ہر قبیلہ ایک تجارتی کمپنی ہوتی تھی[1]، اس کے ثبوت کے لئے دیکھئے وہ واقعات جو غزوۂ بدر کے تجارتی قافلے کے متعلق مستند روایات سے ثابت ہیں۔ تفسیرِ مظہری میں بروایت ابنِ عقبہ وابنِ عامر اس تجارتی قافلے کے متعلق نقل کیا ہے:-

فِيهَا اَمْوَالٌ عِظَامٌ وَلَمْ يَبْقَ بِمَكَّةَ قُرَشِيٌّ وَلَا قُرَشِيَّةٌ لَهُ مِثْقَالٌ فَصَاعِدًا اِلَّا بعث بِهٖ فِي الْعير فَيُقَالَ اَنَّ فِيهَا خَمْسِيْنَ اُلْفَ دِيْنَار.

ترجمہ:- اس قافلے میں بڑے اموال تھے اور مکہ میں کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو، اگر کسی کے پاس ایک ہی مثقال سونا تھا تو وہ بھی شریک ہوگیا تھا، اس کا کل رأس المال پچاس ہزار دینار (یعنی چھبیس لاکھ روپے) بتلایا گیا ہے۔

ان حالات و واقعات پر نظر ڈالئے کہ کون لوگ کن لوگوں سے سود پر رقم لے رہے ہیں؟ ایک تاجر قبیلہ دُوسرے قبیلے سے یا یوں کہئے کہ ایک کمپنی دُوسری کمپنی سے سود پر قرض لے رہی ہے، تو کیا اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ سودی لین دین کسی

---

(۱) اس کا ایک واضح ثبوت اس کتاب کے صفحہ: ۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں

شخصی مصیبت کے ازالے کے لئے تھا؟ یا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سب لین دین تجارتی اغراض سے تھا؟ اور جو احادیث آگے آ رہی ہیں ان میں حدیث نمبر ۴۷ میں مذکور ہے کہ کسی نے حضرت ابنِ عباسؓ سے سوال کیا کہ ہم کاروبار میں کسی یہودی یا عیسائی کے ساتھ شرکت کر سکتے ہیں؟ اس پر حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا:-

لَا تُشَارِکْ یَهُوْدِیًّا وَلَا نَصْرَانِیًّا لِأَنَّهُمْ یُرْبُوْنَ وَالرِّبَا لَا یَحِلُّ.

یعنی کسی یہودی یا نصرانی کے ساتھ تجارت میں شرکت نہ کرو کیونکہ یہ لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں اور سود حرام ہے۔

اس روایت میں سوال خاص طور سے تجارتی سود ہی کا تھا، اس کے جواب میں سود کا حرام ہونا بیان فرمایا ہے۔

رہا یہ قضیہ کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں کچھ تو مل جاتا ہے، یہی وہ فریب ہے جس کی وجہ سے انگریز کی سرپرستی میں اس منحوس کاروبار نے ایک خوبصورت شکل اختیار کرلی ہے کہ سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں غریب یا کم سرمایہ داروں نے اپنی اپنی پونجی سب بینکوں کے حوالے کردی، اس طرح پوری ملت کا سرمایہ سمٹ کر بینکوں میں آ گیا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ بینک کسی غریب کو تو پیسہ دینے سے رہے، غریب کا تو وہاں گزر بھی مشکل ہے، وہ تو بڑے سرمایہ اور بڑی ساکھ والوں کو قرض دے کر ان سے سود لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ پوری ملت کا سرمایہ چند بڑے پیٹ والوں کا لقمہ بن گیا، جو آدمی دس ہزار کا مالک ہے وہ دس لاکھ کا کاروبار کرنے لگا، اس سے جو عظیم الشان نفع حاصل کیا، اس میں سے چند ٹکے بینکوں کو دے کر باقی سب اپنا مال ہوگیا، بینک والوں نے ان ٹکوں میں سے کچھ حصہ ساری ملت کے پیسے والوں کو بانٹ دیا۔

یہ جادو کا کھیل ہے کہ سرمایہ دار خوش کہ اپنا سرمایہ صرف دس ہزار تھا، نفع

کمایا دس لاکھ کا، اور فریب خوردہ غریب اس پر مگن کہ چلو کچھ تو ملا، گھر میں پڑا رہتا تو یہ بھی نہ ملتا۔

لیکن اگر سود کے اس ملعون چکر پر کوئی سمجھ دار آدمی نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہ بینک ''بلڈ بینک'' بنے ہوئے ہیں، جن میں ساری ملت کا خون جمع ہوتا ہے اور وہ چند سرمایہ داروں کی رگوں میں بھرا جاتا ہے، پوری ملت غربت و افلاس کا شکار ہوجاتی ہے اور چند مخصوص سرمایہ دار پوری ملت کے خزائن پر قابض ہوتے جاتے ہیں۔ جب ایک تاجر دس ہزار کا مالک ہوتے ہوئے دس لاکھ کا بیوپار کرتا ہے تو غور کیجئے کہ اگر اس کو نفع پہنچا تو بجز سود کے چند ٹکوں کے وہ سارا نفع اس کو ملا، اور اگر یہ ڈوب گیا اور تجارت میں گھاٹا ہوگیا تو اس کے تو صرف دس ہزار گئے، باقی نو لاکھ نوے ہزار تو پوری قوم کے گئے، جس کی کوئی تلافی نہیں۔

اور مزید چالاکی یہ دیکھئے کہ ان ڈوبنے والے سرمایہ داروں نے تو اپنے لئے ڈوبنے کے بعد بھی خسارہ سے نکل جانے کے چور دروازے بنا رکھے ہیں کیونکہ تجارت کا خسارہ اگر کسی حادثہ کے سبب ہوا مثلاً مال میں یا جہاز میں آگ لگ گئی تو یہ تو اپنا نقصان انشورنس سے وصول کرلیتے ہیں، مگر کوئی دیکھے کہ انشورنس میں مال کہاں سے آیا؟ وہ بیشتر انہیں غریب عوام کا ہوتا ہے، نہ جن کا کوئی جہاز ڈوبتا ہے نہ دُکان میں آگ لگتی ہے، نہ موٹر کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں ان غریبوں کے پاس ہیں ہی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حوادث کا فائدہ تو یہ غریب اُٹھاتے نہیں، اُن کے پلے تو یہاں بھی دو فیصدی پیسے سود ہی کے پڑتے ہیں، حوادث کا عظیم الشان فائدہ بھی سارا انہیں قوم کے ٹھیکے داروں کی جیب کی زینت بنتا ہے۔ اور دُوسری صورت تجارتی خسارے کی بازار کے بھاؤ گرنے سے ہوسکتی ہے، اس کا علاج ان لوگوں نے سٹے کے ذریعہ تلاش کرلیا ہے، جب بازار گرتا دیکھیں تو اپنی بلا دُوسرے پر پھینک دیں۔

اس کے علاوہ عوام کو ایک نقصان یہ پہنچا کہ چھوٹے سرمایہ والا کسی تجارت

میں زندہ نہیں رہ سکتا، کیونکہ بڑے تاجر کمپٹیشن کے ذریعہ اس کا ایک دن میں دیوالیہ نکال دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے نافع ومفید اور ذریعۂ ترقی تھا، وہ چند مخصوص لوگوں میں محدود ہوکر رہ گیا۔

اور اس سودی معاملے کا ایک بڑا ضرر عوام کو یہ ہے کہ جب تجارت کے اڈوں پر مخصوص سرمایہ دار قابض ہوگئے تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم وکرم پر رہ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ وہ ہے جو ہر جگہ سامنے آرہا ہے کہ سامانِ معیشت روز بروز گراں سے گراں ہوتا جاتا ہے، ہر جگہ کی حکومتیں ارزانی کی فکر میں لگی رہتی ہیں مگر قابو نہیں پاسکتیں۔ اب سوچئے کہ ان فریب خوردہ عوام کو جو چند ٹکے سود کے نام سے ملے تھے اور نتیجے میں سامانِ معیشت دُگنی تگنی قیمتوں تک پہنچا تو اُن غریبوں کی جیب سے وہ سود کے ٹکے کچھ اور سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ گئے۔

قرآنِ کریم نے دو لفظوں میں اس فریب کو کھول دیا ہے: ”وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے بیوپار کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام۔

اس میں ربا کی حرمت کے بیان سے پہلے بیوپار کی حلت کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ اپنا مال اور محنت، تجارت میں لگا کر نفع حاصل کرنا کوئی جرم نہیں، جرم یہ ہے کہ دُوسرے شریکوں پر ظلم کیا جائے، ان کا حق ان کو نہ دیا جائے۔ جب روپیہ دُوسرے کا ہے اور محنت آپ کی ہے، اور تجارت کے یہی دو بازو ہیں جن کے ذریعے وہ چلتی اور بڑھتی ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں کہ مال والے کو گنتی کے چند ٹکے دے کر ٹرخا دیا جائے اور تجارت کے سارے نفع پر آپ قبضہ کرلیں۔ غور سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بیوپار اور ربا میں فرق صرف منافع کا ہے، اس کی منصفانہ تقسیم ”بیوپار“ کہلاتی ہے اور ظالمانہ تقسیم کا نام ”ربا“ ہے۔ کل تجارت کے نفع کو مال اور محنت کے دو حصوں میں انصاف کے ساتھ اس طرح بانٹ دو کہ آدھا یا تہائی، چوتھائی

مال والے کا ہے اور باقی محنت کرنے والے کا، یا اس کے برعکس یہ تجارت ہے، بیوپار ہے، اور اسلام میں یہ صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ کسبِ معاش کی صورتوں میں سب سے زیادہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ ہاں! اگر آپ اس تجارت کے دُوسرے شریک یعنی مال والے پر ظلم کرنے لگیں کہ اس کی کچھ رقم معین کردیں اور باقی سب کچھ آپ کا تو یہ کھلی ناانصافی ہے، یہ تجارت یا بیوپار نہیں بلکہ اُدھار کا معاوضہ ہے، اسی کا نام قرآن میں "رِبا" ہے۔

اگر کہا جائے کہ مذکورہ صورت میں جبکہ مال والے کو کوئی رقم معین کر کے دے دی جاتی ہے اس میں اس کا ایک فائدہ بھی تو ہے کہ تجارت کے نفع نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا، تاجر کو خواہ تجارت میں سراسر خسارہ ہی ہوجائے اس کو اس کی رقم کا معینہ نفع مل جاتا ہے، اور اگر حصے کی شرکت رہے تو نقصان کا بھی خطرہ ہے۔ جواب صاف ہے کہ اس صورت میں دُوسری جانب یعنی محنت کرنے والے پر ظلم ہوجاتا ہے کہ اس کو اپنی تجارت میں خسارہ ہوگیا، گھر کا رأس المال بھی گیا اور دُوسرے حصے دار کو نہ صرف اصل رأس المال ملا بلکہ اس کا نفع دینا بھی اس مصیبت زدہ کی گردن پر رہا۔

قرآن تو دونوں ہی کے حق میں انصاف کرنا چاہتا ہے، نفع ہو تو دونوں کا ہو، نہ ہو تو کسی کا نہ ہو، البتہ جب نفع ہو تو اس کی تقسیم انصاف کے ساتھ حسبِ حصہ کی جائے۔ اس کے علاوہ دیوالیہ کا مروّجہ قانون ایسا ہے کہ اس کے ذریعے بالآخر سوداگر کا سارا خسارہ بھی عام ملت ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ سود کے سارے کاروبار اور اس کی حقیقت پر ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سودی کاروبار کا لازمی نتیجہ عام ملت کی غربت و افلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں ناقابلِ قیاس اضافہ ہے اور یہی معاشی بے اعتدالی پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے، اسی لئے اسلام نے اس پر قدغن لگایا ہے۔

پہلے حصے کا جزوِاوّل یعنی ربا کی تعریف اور پوری حقیقت قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کے سامنے آچکی ہے، اب اس کے متعلق قرآن و سنت کے اَحکام وتنبیہات بیان کرنا ہیں، پہلے قرآن مجید کی آٹھ آیتیں جو اس مسئلے کے متعلق آئی ہیں، مع تفسیر وتشریح لکھی جاتی ہیں۔

واللہ الموفق والمعین

آیاتِ قرآن متعلقہ اَحکامِ رِبا

پہلی آیت (سورۂ بقرہ: ۲۷۵)

اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا، فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ، وَأَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ، وَمَنْ عَادَ فَأُوْلٰٓئِکَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ.

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، کھڑے ہوں گے قیامت میں قبروں سے جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا آدمی جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)، یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے، پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے لینا ہوچکا ہے وہ اسی کا رہا اور باطنی معاملہ اس کا خدا کے حوالے رہا، اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت کے پہلے جملے میں سودخوروں کا انجام بد اور قیامت کے دن ان کا

اس طرح کھڑا ہونا جیسے آسیب زدہ خبطی کھڑا ہوتا ہے، بیان فرمایا گیا ہے جس میں اس کا اعلان ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنی مجنونانہ حرکتوں سے پہچانے جائیں گے کہ یہ سودخور ہیں اور اس طرح پورے عالمی مجمع میں اس کی رُسوائی ہوگی، اور قرآنِ کریم نے ان کے لئے ''مجنون'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''آسیب زدہ خبطی'' کا لفظ استعمال فرماکر شاید اس طرف اشارہ کردیا کہ ''مجنون'' تو بعض اوقات ایسا بے حس ہوجاتا ہے کہ اس کو تکلیف و راحت کا احساس ہی نہیں رہتا، یہ لوگ ایسے مجنون نہیں ہوں گے بلکہ عذاب و تکلیف کا احساس باقی رہے گا، نیز یہ کہ مجنون تو بعض اوقات چپ چاپ ایک جگہ پڑ جاتا ہے، یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے بلکہ ان کی لغو حرکات سب کے سامنے ان کو رُسوا کریں گی۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہر عمل کی جزاء یا سزا اس کے مناسب ہوا کرتی ہے، عقل و حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے اور حق تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا دستور بھی تمام سزاؤں میں یہی ہے۔ یہاں سودخوری کی ایک سزا جو اُن کو خبطی مجنون کی صورت میں کھڑا کرکے دی گئی، اس میں کیا مناسبت ہے؟

علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ سود کی ایک خاصیت ہے کہ عادۃً سودخور مال کی محبت میں ایسا بدمست اور مدہوش ہوجاتا ہے کہ اس کو مال کے جمع کرنے اور بڑھاتے رہنے میں اپنے تن بدن اور راحت و آرام کی بھی فکر نہیں رہتی، اہل و عیال، دوست احباب کا تو ذکر کیا، عوام کی مصیبت اور افلاس اس کے لئے فراخیٔ عیش کا ذریعہ بنتا ہے، جس چیز سے پوری قوم روتی ہے یہ اس سے خوش ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی بے ہوشی ہے جس کو اس نے دُنیا میں اپنے لئے اختیار کر رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے حشر میں اس کو اس کی اصلی صورت میں ظاہر کرکے کھڑا کردیا۔

قرآنِ کریم کے الفاظ میں ''سود کھانے'' کا ذکر ہے اور اس سے مراد مطلقاً سود سے نفع اُٹھانا ہے، خواہ کھانے کی صورت میں ہو یا پینے اور استعمال کی صورت

میں، کیونکہ عرف ومحاورے میں اس کو کھانا ہی بول جاتا ہے۔ ایک اور بھی وجہ اس لفظ کو اختیار کرنے کی ہے کہ کھانے کے علاوہ جتنے اور استعمال ہیں ان میں یہ احتمال رہتا ہے کہ استعمال کرنے والا متنبہ ہوکر اپنی غلطی سے باز آجائے، اور جس چیز کو پہن کر یا برت کر ناجائز طور پر استعمال کر رہا تھا اس کو صاحبِ حق کی طرف واپس کردے، لیکن کھانے پینے کا تصرف ایسا ہے کہ اس کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہوکر بھی واپسی اور حرام سے سبکدوشی کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔

آیتِ مذکورہ کے دُوسرے جملے میں سودخوروں کی مذکورہ سزا کا سبب یہ بتلایا گیا ہے کہ ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے ایک تو یہ جرم کیا کہ سود جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا اس میں مبتلا ہوگئے، پھر اس جرم کو دُہرا جرم اس طرح بنالیا کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بجائے اپنے فعلِ بد کو جائز اور سود کو حلال قرار دینے کے لئے لغو قسم کے حیلے تراشے، مثلاً یہ کہ ''بیوپار اور سود میں کیا فرق ہے؟ جیسے تجارت اور بیوپار میں ایک چیز دُوسری چیز کے معاوضے میں نفع لے کر دی جاتی ہے اسی طرح رِبا میں اپنا روپیہ قرض دے کر اس کا نفع لیا جاتا ہے''، اگر کچھ بھی عقل وانصاف سے کام لیتے تو ان دونوں معاملوں میں زمین آسمان کا بون بعید نظر آجاتا، کیونکہ تجارت (بیع و شراء) میں دونوں طرف مال ہوتا ہے، ایک مال کے بدلے میں دُوسرا مال لیا جاتا ہے، اور قرض واُدھار پر جو زیادتی بطور سود و رِبا کے لی جاتی ہے، اس کے مقابلے میں مال نہیں بلکہ ایک ''میعاد'' ہے کہ اتنی میعاد تک اپنے پاس رکھوگے تو اتنا روپیہ زائد دینا پڑے گا اور ''میعاد'' کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ اس زیادتی کو قرار دیا جائے۔ بہرحال ان لوگوں نے اپنے ایک جرم کو اس طرح کے بہانے نکال کر دو جرم بنالئے، ایک قانونِ حق کی خلاف ورزی، دُوسرے اس قانون ہی کو غلط بتلانا۔ اس جگہ تقاضائے مقام یہ تھا کہ یہ لوگ یوں کہتے: "اِنَّمَا الرِّبٰوا مِثْلُ الْبَیْعِ" یعنی سود مثل بیع وشراء کے ہے، مگر ان لوگوں نے ترتیب کو برعکس کرکے "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہا، جس میں

ایک قسم کا استہزاء ہے کہ اگر سود کو حرام کہا جائے تو بیع کو بھی حرام کہنا پڑے گا۔

ابوحیان توحیدی کی تفسیر بحرِ محیط میں ہے کہ ایسا کہنے والے بنوثقیف تھے جو طائف کے مشہور سرمایہ دار تاجر تھے اور ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

بیع اور رِبا میں بنیادی فرق

آیتِ مذکورہ کے تیسرے جملے میں اہلِ جاہلیت کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ بیع اور رِبا دونوں یکساں چیزیں ہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ رِبا بھی ایک قسم کی تجارت ہے، جیسا کہ آج کل کی جاہلیتِ اُخریٰ والے بھی عموماً یہی کہتے ہیں کہ ''جیسے مکان، دُکان اور سامان کو کرایہ پر دے کر اس کا نفع لیا جاسکتا ہے تو سونے چاندی کو کرایہ پر دے کر اس کا نفع لینا کیوں جائز نہ ہو؟ یہ بھی ایک قسم کا کرایہ یا تجارت ہے'' اور یہ ایسا ہی ''پاکیزہ'' قیاس ہے جیسے کوئی زنا کو یہ کہہ کر جائز قرار دے کہ یہ بھی ایک قسم کی مزدوری ہے، آدمی اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ کی محنت کر کے مزدوری لیتا ہے اور وہ جائز ہے، تو ایک عورت اپنے جسم کی مزدوری لے لے تو یہ کیوں جرم ہے؟ اس بیہودہ قیاس کا جواب علم وحکمت سے دینا علم وحکمت کی توہین ہے، اس لئے قرآنِ کریم نے اس کا جواب حاکمانہ انداز میں بیان فرمایا کہ ان دونوں چیزوں کو ایک سمجھنا غلط ہے، اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور رِبا کو حرام قرار دیا ہے۔

فرق کی وجوہ قرآن نے بیان نہیں فرمائیں، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بیع وتجارت کے اصل مقصد میں غور کرو تو روزِ روشن کی طرح بیع و رِبا کا فرق واضح ہوجائے گا۔ دیکھئے! انسان کی ضروریات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دُنیا کا کوئی انسان کتنا ہی بڑا ہو اپنی تمام ضروریات خود پیدا یا جمع نہیں کرسکتا، اس لئے قدرت نے تبادلے کا قانون جاری فرمایا اور اسی کو انسانی فطرت کا جزو بنادیا۔ مال اور محنت کے باہمی تبادلے پر ساری دُنیا کا نظام قائم فرمادیا مگر اس تبادلے میں ظلم و جور اور بے انصافی بھی ہوسکتی تھی اور ایسے تبادلے بھی ہوسکتے تھے جو انسانی اخلاق وشرافت اور پورے

انسانی معاشرے کے لئے تباہی کا باعث ہوسکتے ہیں، جیسے عورت کا اپنے جسم کی مزدوری کے نام پر زنا کا مرتکب ہونا، اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے لئے شرعی احکام نازل فرما کر ہر ایسے معاملے کو ممنوع قرار دے دیا جو کسی ایک فریق کے لئے مضر ہو یا جس کا ضرر پورے انسانی معاشرے پر پہنچتا ہو۔ کتبِ فقہ میں بیع فاسد اور اجارۂ فاسدہ، شرکتِ فاسدہ کے ابواب میں سیکڑوں جزئیات جن کو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ اسی اُصول پر مبنی ہیں کہ کسی صورت میں بائع و مشتری میں سے کسی ایک شخص کا ناجائز نفع اور دُوسرے کا نقصان ہے، اور کسی میں پوری ملت اور عوام کی مضرت ہے، شخصی نفع نقصان کو تو کچھ نہ کچھ ہر انسان دیکھتا اور سوچتا بھی ہے، مگر ضررِ عامہ کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی، ربّ العالمین کا قانون سب سے پہلے عالمِ انسانیت کے نفع نقصان کو دیکھتا ہے اس کے بعد شخصی نفع و ضرر کو۔ اس اُصول کو سمجھ لینے کے بعد بیع و ربا کے فرق پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ صورت کے اعتبار سے تو بات وہی ہے جو جاہلیت والوں نے کہی کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے مگر عواقب و نتائج پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بیع و تجارت میں بائع و مشتری دونوں کا نفع اعتدال کے ساتھ پایا جاتا ہے، اس کا مدار باہمی تعاون و تناصر پر ہے جو انسانی اخلاق و کردار کو بلند کرتا ہے بخلاف ربا کے، اس کا مدار ہی غرض پرستی اور اپنے مفاد پر دُوسرے کے مفاد کو قربان کرنے پر ہے۔ آپ نے کسی سے ایک لاکھ روپے قرض لے کر تجارت کی، اگر اس میں عرف کے مطابق نفع ہوا تو سال بھر میں آپ کو تقریباً پچاس ہزار نفع کے ملے، آپ اس عظیم نفع میں سے مال والے کو دو تین فیصد شرحِ سود کے حساب سے چند سیکڑے دے کر ٹال دیں گے باقی اتنا عظیم نفع خالص آپ کا ہوگا، اس صورت میں مال والا خسارے میں رہا، اور اگر تجارت میں خسارہ آیا اور فرض کیجئے کہ راس المال بھی جاتا رہا تو آپ پر ایک لاکھ قرض کی ادائیگی ہی کچھ کم مصیبت نہیں ہے، اب مال والا آپ کی مصیبت کو دیکھے بغیر آپ سے ایک لاکھ سے زائد سود بھی وصول کرے گا، اس میں آپ خسارے میں

رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں جانب سے صرف اپنے شخصی نفع کے سامنے دُوسرے کے نقصان کی کوئی پروانہ کرنے کا نام رِبا اور سودی کاروبار ہے جو اُصولِ تعاون اور تجارت کے خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نفع کی منصفانہ تقسیم کا نام ''بیع وتجارت'' باہمی ہمدردی، تعاون، تناصر پر مبنی ہے، اور ربا خودغرضی، بے رحمی، ہوس پرستی پر، پھر دونوں کو برابر کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ رِبا کے ذریعہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے اس لئے یہ بھی ایک قسم کی امداد ہے، سو ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی امداد ہے جس میں اُس ضرورت مند کی تباہی مضمر ہے، اسلام تو کسی کی ضرورت مفت پوری کرنے کے بعد احسان جتلانے کو بھی اِبطالِ صدقہ قرار دیتا ہے: ''لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى'' وہ اس کو کیسے برداشت کرے کہ کسی کی مصیبت سے فائدہ اُٹھا کر اس کی وقتی امداد کے معاوضے میں اس کو دائمی مصیبت میں گرفتار کردیا جائے؟

۲:- اس کے علاوہ تجارت میں ایک شخص اپنا مال خرچ کر کے محنت اور ذہانت سے کام لے کر دُوسروں کے لئے ضرورت کی اشیاء مہیا کرتا ہے، خریدار اس کے بدلے میں اصل مال کی قیمت پر کچھ نفع دے کر اپنی ضرورت کی چیزوں کا مالک بن جاتا ہے اور اس لین دین کے بعد کوئی مطالبہ کسی کا نہیں رہتا۔

بخلاف ربا کے کہ اوّل تو اس کی زیادتی کسی مال کے معاوضے میں نہیں بلکہ قرض دے کر مہلت دینے کا معاوضہ ہے جو اسلامی اُصول پر انتہائی گراوٹ ہے، کیونکہ یہ مہلت بلامعاوضہ ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ رِبا کی زیادتی ایک مرتبہ ادا کرنے کے بعد بھی مدیون فارغ نہیں ہوجاتا بلکہ ہر سال یا ہر ماہ نئی زیادتی اس کو دینا پڑتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات یہ سلسلہ زیادتی کا اصل قرض سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

۳:- بیع وتجارت دولت کی آزادانہ گردش کا ذریعہ ہے جس سے پوری ملت کو فائدہ پہنچتا ہے، بخلاف ربا کے کہ وہ گردش کو صرف چند سرمایہ داروں کے حلقے میں محدود کردیتا ہے جس سے پوری ملت فقر وافلاس کا شکار ہوتی ہے۔ تفسیرِ قرطبی میں

"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کی تشریح میں فرمایا ہے:-

وَذٰلِکَ أَنَّ الْعَرَبَ کَانَتْ لَا تَعْرِفُ رِبًا اِلَّا ذٰلِکَ (اِلٰی قَوْلِہٖ) فَحَرَّمَ سُبْحَانَہٗ ذٰلِکَ وَرَدَّ عَلَیْھِمْ بِقَوْلِہٖ: وَأَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.

یعنی عرب کے لوگ صرف اسی کو رِبا سمجھتے تھے کہ قرض کی مہلت کے معاوضے میں کوئی رقم لی جائے اور اس کو مثلِ بیع کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور ان کے خیال کی تردید اس طرح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور رِبا کو حرام قرار دیا ہے۔

اسی تفسیر میں اس کے بعد فرمایا:-

وَھٰذَا الرِّبَا ھُوَ الَّذِیْ نَسَخَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِہٖ یَوْمَ عَرَفَۃَ: اَلَا! اِنَّ کُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ.

یعنی یہی وہ رِبا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ فرما کر منسوخ کیا کہ: ہر رِبا متروک ہے۔

آیتِ متذکرہ کا چوتھا جملہ: "**فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ، وَاَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ**" اس میں ایک اِشکال کا جواب ہے جو حرمتِ رِبا نازل ہونے کے بعد لازمی طور پر مسلمانوں کو پیش آتا، وہ یہ کہ سود و رِبا حرام قرار دے دیا گیا تو جن لوگوں نے حرمتِ رِبا نازل ہونے سے پہلے یہ کاروبار کر کے کھایا پیا، مکان جائیداد بنائی یا نقد روپیہ جمع کیا، وہ سب کا سب بھی اب حرام ہوگیا تو پچھلے زمانے میں سود سے حاصل کیا ہوا مال یا جائیداد کسی کے قبضے میں ہے، اب اس کو بھی واپس کرنا چاہئے۔ قرآنِ کریم کے اس فیصلے نے بتلا دیا کہ آیاتِ حرمت نازل ہونے سے پہلے جو اموال سود و رِبا کے ذریعے حاصل کر لئے گئے ہیں ان پر اس حرمت کا اطلاق نہیں

ہوگا بلکہ وہ سب جائز طور پر اپنے اپنے مالکوں کی ملکیت میں رہیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ آئندہ کے لئے وہ دِل سے توبہ کرچکا ہو، اور چونکہ دِلوں کا بھید اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے یہ معاملہ اسی کے سپرد رہے گا کہ توبہ اِخلاص اور سچی نیت کے ساتھ کرلی ہے یا نہیں، کسی انسان کو ایک دُوسرے پر یہ الزام لگانے کا حق نہیں ہوگا کہ فلاں آدمی نے دِل سے توبہ نہیں کی، محض ظاہری طور پر سود چھوڑ دیا ہے۔

آیت کے پانچویں جملے میں ارشاد ہے: "وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ" یعنی جو لوگ اس حکمِ قرآنی کے نازل ہونے کے بعد بھی پھر سود کا لین دین کریں اور اپنی طبع زاد لغو تاویلوں کے ذریعے سود کو حلال کہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے کیونکہ حرامِ قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی جہنم ہے۔

دُوسری آیت (سورۂ بقرہ:۲۷۶)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ.

ترجمہ:- مٹادیتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھا دیتا ہے صدقات کو، اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی کفر کرنے، گناہ کے کام کرنے والے کو۔

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ یہاں "سود" کے ساتھ "صدقات" کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور ان کے نتائج بھی متضاد ہیں، اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض و نیت اور حالات و کیفیات بھی متضاد ہوتے ہیں۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقے میں تو بغیر کسی معاوضے کے اپنا مال

دُوسروں کو دیا جاتا ہے، اور سود میں بغیر کسی مالی معاوضے کے دُوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ اور دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لئے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور ثوابِ آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کردینے کا فیصلہ کرتا ہے، اور سود لینے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بے پروا ہو کر اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہش مند ہے۔ اور نتائج کا متضاد ہونا قرآنِ کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت کو مٹادیتے ہیں، اور صدقہ کرنے والے کے مال کو یا اس کی برکت کو بڑھا دیتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنے والے کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھ جاتے ہیں۔ اور کیفیات کا تضاد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو دین کے دُوسرے کاموں کی بھی توفیق ہوتی ہے اور سودخور ان سے عموماً محروم رہتا ہے۔

سود کے مٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آیت میں سود کے مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے؟ ظاہری طور پر تو یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے، ایک سودخور کے سو روپے میں جب سود کے پانچ روپے شامل ہوئے تو وہ ایک سو پانچ ہوگئے، اور صدقہ دینے والے نے جو سو روپے میں سے پانچ کا صدقہ کردیا تو اس کے پچانوے رہ گئے، کوئی حساب داں، اکاؤنٹینٹ پہلے کو کم اور دُوسرے کو زیادہ کہے تو لوگ اسے دیوانہ کہیں گے، لیکن قرآن کی یہ آیت سودخور کے ایک سو پانچ کو صدقہ دینے والے کے پچانوے سے کم قرار دیتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے:-

مَا نقصت صدقة من مال. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- کوئی صدقہ کسی مال میں سے کچھ گھٹاتا نہیں۔

اس میں بھی یہی سوال ہے کہ یہ بات بظاہر مشاہدے کے خلاف ہے کیونکہ جو رقم صدقے میں دی جاتی ہے وہ اَز روئے حساب اصل میں سے کم ہوجاتی ہے، اس کا ایک سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ صدقے کا بڑھانا اور سود کا گھٹانا جس کا آیتِ مذکورہ میں ذکر ہے اس کا تعلق دُنیا سے نہیں بلکہ آخرت کا حکم ہے کہ آخرت میں جہاں حقائق کھل کر سامنے آویں گے اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ سود کے ذریعہ بڑھائے ہوئے مال کی کوئی قیمت وحیثیت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے کمانے والے کے لئے وبال و عذاب بنا ہے، اور صدقے میں دیا ہوا مال اگرچہ تھوڑا دیا گیا تھا، وہ بڑھ چڑھ کر اس کے حساب میں بہت زیادہ ہوگیا۔ عامۂ مفسرین نے آیتِ مذکورہ کی یہی توجیہ فرمائی ہے، لیکن ان میں سے اہلِ تحقیق حضرات کا ارشاد یہ ہے کہ یہ حکم دُنیا و آخرت دونوں میں ہے، اور دُنیا میں سود کا گھٹنا اور صدقے کا بڑھنا گو حساب و شمار کے اعتبار سے مشاہدے میں نہ آئے لیکن مال و دولت کے اصل مقصود کے اعتبار سے بالکل واضح اور مشاہدے و تجربے سے ثابت ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ سونا چاندی خود تو انسان کی کسی بھی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتے، نہ ان سے انسان کی بھوک پیاس بجھتی ہے، نہ وہ اوڑھنے بچھانے اور پہننے برتنے کا کام دیتے ہیں، نہ دُھوپ اور بارش وغیرہ سے سر چھپانے کا کام ان سے لیا جاسکتا ہے، اس مال و دولت کا کام تو صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان اپنی ضروریات بازار سے خرید کر آرام حاصل کرسکتا ہے۔

اس میں یہ بات ناقابلِ تردید مشاہدوں اور تجربوں سے ثابت ہے کہ صدقات و زکوٰۃ میں خرچ کرنے والے کے مال میں اللہ تعالیٰ ایسی برکت عطا فرمادیتے ہیں کہ اس کے نوّے روپے میں اتنے کام نکل جاتے ہیں جو دُوسروں کے سو میں بھی نہ نکل سکیں، ایسے آدمی کے مال پر عادۃ اللہ کے مطابق آفتیں نہیں آتیں یا

بہت کم آتی ہیں، اس کا پیسہ بیماریوں کے اخراجات، مقدمہ بازی، تھیٹر، سینما، ٹیلیویژن وغیرہ کی فضولیات میں نہیں ضائع ہوتا، فیشن پرستی کے اِسراف سے محفوظ ہوتا ہے، اور معنوی طور پر بھی اس کی ضروریات دُوسروں کی بہ نسبت کم قیمت سے مہیا ہوجاتی ہیں۔

اس لئے اس کے نوّے روپے نتیجہ اور مقصد کے اعتبار سے حرام آمدنی کے سو روپے سے زائد ہوگئے، صورت حساب کے اعتبار سے تو جب کسی نے سو روپے میں سے دس کا صدقہ کردیا تو اس کا عدد گھٹ کر نوّے رہ گیا، مگر حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے اس کا ایک ذرّہ نہیں گھٹا۔ یہی مطلب ہے حدیثِ مذکور کا جس میں ارشاد ہے کہ صدقے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ اس کے نوّے روپے، سو روپے سے بھی زیادہ کام دے جاتے ہیں۔ تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس کا مال بڑھ گیا کہ نوّے روپے نے اتنے کام پورے کردیئے جتنے ایک سو دس میں ہوتے ہیں۔ عام طور پر مفسرین نے فرمایا کہ یہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خور کو اس کا مال آخر میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا، اور صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لئے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں۔ اور بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی، مگر اس کے کچھ آثار دُنیا میں بھی مشاہد ہوجاتے ہیں، سود جس مال میں شامل ہوجاتا ہے بعض اوقات تو وہ مال خود ہلاک و برباد ہوجاتا ہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، جیسا کہ رِبا اور سٹے کے بازاروں میں اس کا اکثر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں۔ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع و نقصان کے احتمالات ضرور ہیں اور بہت سے تاجروں کو نقصان بھی کسی تجارت میں ہوجاتا ہے لیکن ایسا نقصان کہ ایک تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسے کی بھیک کا محتاج ہے، یہ صرف سود اور سٹے کے بازاروں میں نظر آتا ہے، اور اہلِ تجربہ

کے بے شمار بیانات اس بات میں مشہور و معروف ہیں کہ سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً پائیدار اور دیر تک باقی نہیں رہتا جس کا فائدہ اولاد اور نسلوں میں چلے، اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آ کر اس کو برباد کر دیتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سود خور پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس کے مال پر محاق (گھاٹا) آجاتا ہے۔

سود کے مال کی بے برکتی

اور اگر ظاہری طور پر مال برباد بھی نہ ہو اس کے فوائد اور برکات و ثمرات سے محرومی تو یقینی اور لازمی ہے کیونکہ یہ بات کچھ مخفی نہیں کہ سونا چاندی خود نہ تو مقصود ہے، نہ کارآمد، نہ اس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے نہ پیاس، نہ اس کو گرمی سردی سے بچنے کے لئے اوڑھا بچھایا جاسکتا ہے، نہ کپڑوں اور برتنوں کا کام دے سکتا ہے، پھر اس کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے میں ہزاروں مشقتیں اُٹھانے کا منشاء ایک عقلمند انسان کے نزدیک اس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ سونا چاندی ذریعہ ہیں ایسی چیزوں کے حاصل ہونے کا جن سے انسان کی زندگی خوشگوار بن سکے اور وہ راحت و عزّت کی زندگی گزار سکے، اور انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ یہ راحت و عزّت جس طرح اسے حاصل ہوئی اسی طرح اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو، یہی وہ چیزیں ہیں جو مال و دولت کے فوائد و ثمرات کہلاسکتی ہیں، اس کے نتیجے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جس شخص کو یہ فوائد و ثمرات حاصل ہوئے اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے بڑھ گیا، اگرچہ دیکھنے میں کم نظر آئے، اور جس کو یہ فوائد و ثمرات کم حاصل ہوئے، اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے گھٹ گیا، اگرچہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سود کے کاروبار اور صدقہ و خیرات کے اعمال کا جائزہ لیجئے تو یہ بات آنکھوں سے نظر آجائے گی کہ سود خور کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی انسان کا بدن ورم سے بڑھ جائے، ورم کی زیادتی بھی تو بدن ہی کی

زیادتی ہے مگر کوئی سمجھ دار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے، اسی طرح سودخور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد و ثمرات یعنی راحت وعزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

سودخوروں کی ظاہری خوشحالی دھوکا ہے

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سودخوروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے، وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں، عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان وشوکت کے تمام سامان موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور ''راحت'' میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں اور کارخانوں میں بنتا اور بازاروں میں بکتا ہے، وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہوسکتا ہے، لیکن جس کا نام ''راحت'' ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے، نہ کسی منڈی میں بکتی ہے، وہ ایک ایسی رحمت ہے جو براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو بعض اوقات بے سروسامان انسان بلکہ جانور کو بھی دے دی جاتی ہے، اور بعض اوقات ہزاروں اسباب و سامان کے باوجود حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایک نیند کی ''راحت'' کو دیکھ لیجئے! کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ تو کرسکتے ہیں کہ سونے کے لئے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، اس میں ہوا اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب اور دِل خوش کن ہو، چارپائی اور گدّے تکیے حسبِ منشا ہوں، لیکن کیا نیند آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضے سے نیند نہیں آتی، یہ سارے سامان دھرے رہ جاتے ہیں، خواب آور دوائیں بھی بعض اوقات جواب دے دیتی ہیں، نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے لیکن نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لاسکتے، اسی طرح دُوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے، ان کے سامان تو روپے

پیسے کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں مگر راحت ولذّت کا حاصل ہو جانا ضروری نہیں۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد سودخوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر ''راحت'' کا نام نہ پائیں گے، وہ اپنے کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کو دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ اُن کو اپنے کھانے پینے کا ہوش ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا، کئی کئی مِل چل رہی ہیں، دُوسرے ملکوں سے جہاز آرہے ہیں، ان کی اُدھیڑبن ہی میں صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی ہے، افسوس ہے کہ ان دیوانوں نے سامانِ راحت کا نام ''راحت'' سمجھ لیا ہے اور درحقیقت ''راحت'' سے کوسوں دُور ہوگئے، اگر یہ مسکین ''راحت'' کی حقیقت پر غور کرتے تو یہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفلس محسوس کرتے، ہمارے محترم مجذوبؔ صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

یہ حال تو ان کی ''راحت'' کا ہے، اب ''عزّت'' کو دیکھ لیجئے۔ یہ لوگ چونکہ سخت دِل، بے رحم ہو جاتے ہیں ان کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مفلسوں کی مفلسی سے یا کم مایہ لوگوں کی کم مائیگی سے فائدہ اُٹھائیں، ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالیں اس لئے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دِلوں میں ان کی کوئی عزّت و وقار ہو۔ اپنے ملک کے بنیوں اور یورپ و افریقہ، مصر و شام کے یہودیوں کی تاریخ پڑھ جایئے، ان کے حالات کو دیکھ لیجئے، ان کی تجوریاں کتنے ہی سونے چاندی اور جواہرات سے بھری ہوں لیکن دُنیا کے کسی گوشے میں انسانوں کے کسی طبقے میں ان کی کوئی عزّت نہیں بلکہ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دِلوں میں ان کی طرف سے بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے، اور آج کل تو دُنیا کی ساری جنگیں اسی بغض و نفرت کے مظاہرے ہیں، محنت و سرمایہ کی جنگ نے ہی دُنیا میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے

نظریئے پیدا کیئے، کمیونزم کی تخریبی سرگرمیاں اسی بغض و نفرت کا نتیجہ ہیں، جن سے پوری دُنیا قتل وقتال و جنگ و جدال کا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ یہ حال تو ان کی راحت و عزت کا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ سود کا مال سودخور کی آنے والی نسلوں کی زندگی بھی خوشگوار نہیں بننے دیتا، یا ضائع ہوجاتا ہے یا اس کی نحوست سے وہ بھی مال و دولت کے حقیقی ثمرات سے محروم و ذلیل رہتے ہیں۔

یورپین اقوام کی سودخوری سے دھوکا نہ کھائیں

لوگ شاید یورپ کے سودخوروں کی مثال سے فریب میں آئیں کہ وہ لوگ تو سب کے سب خوش حال ہیں اور ان کی نسلیں بھی پھولتی پھلتی ہیں، لیکن اوّل تو ان کی خوش حالی کی حقیقت اور اس میں جو سامانِ راحت کو ''راحت'' سمجھ بیٹھنے کا فریب ہے اس کا اجمالی خاکہ عرض کر چکا ہوں، دُوسرے اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی مردم خور دُوسرے انسانوں کا خون چوس کر اپنا بدن پالتا ہو اور ایسے کچھ انسانوں کی ایک جماعت ایک محلے میں آباد ہوجائے، آپ کسی کو اس محلے میں لے جا کر خون چوسنے کی برکات کا مشاہدہ کرائیں کہ یہ سب کے سب بڑے صحت مند اور سرسبز و شاداب ہیں لیکن ایک عقلمند آدمی جو پوری انسانیت کی فلاح کا خواہش مند ہے صرف اس محلے کو دیکھتا نہیں بلکہ اس کے مقابل ان بستیوں کو بھی دیکھتا ہے جن کا خون چوس کر ان کو اَدھ موا کر دیا گیا ہے، اس محلے اور ان بستیوں کے مجموعے پر نظر ڈالنے والا کبھی اس محلّہ والوں کے فربہ ہونے پر خوش نہیں ہوسکتا اور مجموعی حیثیت سے ان کے عمل کو انسانی ترقی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا، کیونکہ اس کے سامنے جہاں یہ مردم خور درندے فربہ نظر آرہے ہیں وہیں دُوسری بستیوں میں ان کی ماری ہوئی زندہ لاشیں بھی نظر آرہی ہیں، پوری انسانیت پر نظر رکھنے والا انسان اس کو انسان کی ہلاکت و بربادی ہی کہنے پر مجبور ہوگا۔

اس کے بالمقابل صدقہ خیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ اُن کو کبھی اس طرح

مال کے پیچھے حیران وسرگرداں نہ پائیں گے، اُن کو راحت کے سامان اگرچہ کم حاصل ہوں مگر اصل راحت سامان والوں سے بھی زیادہ حاصل ہے، اطمینان اور سکونِ قلب جو اصلی راحت ہے ان کو بہ نسبت دُوسروں کے زیادہ حاصل ہوگا، اور دُنیا میں ہر انسان ان کو عزّت کی نظر سے دیکھے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقے کو بڑھاتا ہے، یہ مضمون آخرت کے اعتبار سے تو بالکل صاف ہے ہی، دُنیا کے اعتبار سے بھی اگر حقیقت ذرا سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بالکل کھلا ہوا ہے، یہی ہے مطلب اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَہٗ تَصِیْرُ اِلٰی قُلٍّ" یعنی سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہوجائے مگر انجامِ کار اس کا نتیجہ قلت ہے، یہ روایت مسندِ احمد اور ابنِ ماجہ میں مذکور ہے۔

آیت کے اخیر میں ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ" یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو، کسی گناہ کا کام کرنے والے کو۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ گناہگار فاسق ہیں۔

تیسری اور چوتھی آیتیں (سورۂ بقرہ: ۲۷۸، ۲۷۹)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۲۷۸) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ، وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (۲۷۹).

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اعلانِ جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا، اور اگر تم توبہ کرلو تو

تمہارے اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور
نہ کوئی دُوسرا تم پر ظلم کرنے پائے گا۔

ان دونوں آیتوں کا شانِ نزول ''رفعِ شبہات'' کے ذیل میں ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ قبیلہ بنوثقیف جو سودی کاروبار میں سب سے زیادہ معروف تھے اور جنھوں نے بحالتِ کفر کہا تھا کہ: ''اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'' جب سنہ۹ھ میں یہ مسلمان ہوگئے اور ایک دُوسرا قبیلہ بنومغیرہ ان کا حریف وہ بھی مسلمان ہو چکا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد سودی کاروبار تو سبھی نے چھوڑ دیا تھا لیکن پچھلے معاملات میں بنوثقیف کے سود کی رقم بنومغیرہ کے ذمہ لازم تھی، انہوں نے اپنے بقایا سود کا مطالبہ بنومغیرہ سے کیا، انہوں نے انکار کیا تو معاملہ امیرِ مکہ کی معرفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔

(درمنثور عن ابنِ عباسؓ)

اسی طرح حضرت عباسؓ اور خالد بن ولیدؓ کا شرکت میں کاروبار تھا، ان کی بھی پچھلے سود کے حساب میں بہت بڑی رقم بنوثقیف کے ذمے واجب الادا تھی۔

(درمنثور ابنِ جریر)

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کا کچھ سابقہ مطالبہ ایک دُوسرے تاجر کے ذمے تھا، سابقہ سود کے مطالبات آپس میں ہوئے، اس پر یہ دو آیتیں نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد سود کی بقایا رقم کا لین دین بھی جائز نہیں، صرف اتنا جائز ہے کہ حکمِ حرمت سے پہلے جو سود لیا دیا جاچکا ہے اور اس سے حاصل شدہ جائیداد، سامان یا نقد جن لوگوں کے پاس تھا وہ حسبِ تصریح آیتِ سابقہ ان کے لئے جائز رکھا گیا ہے اور جو ابھی تک وصول نہیں ہوا، اس کا وصول کرنا جائز نہیں۔

سب حضرات نے یہ حکمِ قرآنی سن کر اس کے مطابق اپنے مطالبات چھوڑ دیئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملۂ سود کی اہمیت اور اس میں پیش آنے

والے نزاعات کے پیشِ نظر اس مسئلے کا اعلان حجۃ الوداع کے اس خطبے میں فرمایا جو اسلام میں ایک دستور اور منشور کی حیثیت رکھتا ہے جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ کے آخری مجمع کے سامنے کہا گیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے دِلوں کے شبہات مٹانے اور سابقہ قتل وخون کے مطالبات چھوڑ دینے اور سود کی سابقہ رقوم سے دست برداری کو آسان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:-

> خوب سمجھ لو کہ جاہلیت کی ساری رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کے باہمی قتل وخون کے انتقام آئندہ کے لئے ختم کر دیئے گئے (کہ مجھ سے پہلے زمانے کے کسی قتل کا کوئی آئندہ کسی سے انتقام نہ لے) اور سب سے پہلا انتقام اپنے رشتہ دار خاص ربیعہ بن حارث کا چھوڑتے ہیں جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لئے دیئے ہوئے تھے، ہذیل نے اُن کو قتل کر دیا تھا، اسی طرح زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا گیا وہ (ہمارے چچا) حضرت عباسؓ کا ہے کہ وہ (بڑی رقم ہونے کے باوجود) سب کا سب معاف کر دیا گیا۔

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت کو "یٰـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ" سے شروع کیا گیا ہے جس میں خوفِ خدا کا حوالہ دے کر آنے والے حکم یعنی سود کو آسان کرنے کی تدبیر کی گئی ہے کیونکہ خوفِ خدا و آخرت ہی ایسی چیز ہے جس سے انسان کے لئے ہر مشکل چیز آسان اور سب تلخیاں شیریں ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: "وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا" یعنی چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود۔ اس کے آخر میں تاکیدِ شدید کے لئے ارشاد فرمایا: "اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" یعنی اگر تم مسلمان ہو، جس میں اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ سود کی پچھلی رقم وصول کرنا بھی مسلمان کا کام نہیں۔

اس کے بعد دُوسری آیت میں اس حکم کی مخالفت کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ یہ وعیدِ شدید ایسی ہے کہ کفر کے سوا کسی بڑے سے بڑے جرم و گناہ پر ایسی وعید کہیں قرآن و حدیث میں نہیں، جس سے سودخوری کے گناہ کا انتہائی شدید اور سخت ہونا ثابت ہوا۔

اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا: "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" یعنی اگر تم سود سے توبہ کرلو اور آئندہ کے لئے سود کی بقایا رقم چھوڑنے کا بھی عزم کرلو تو تمہیں تمہارے رأس المال مل جائیں گے، نہ تم اصل رأس المال سے زائد حاصل کر کے کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی اصل رأس المال میں کمی یا دیر کر کے تم پر ظلم کرنے پائے گا۔

اس میں رأس المال سے زائد رقم یعنی سود لینے کو ظلم فرما کر حرمتِ سود کی علت کی طرف اشارہ فرمادیا کہ قرض دے کر اس پر نفع لینا ظلم ہے، اگر شخصی سود ہے تو خاص ایک غریب پر ظلم ہوا، اور تجارتی سود ہے تو پوری خلقِ خدا اور پوری ملت پر ظلم ہے، جیسا کہ دُوسری آیت کی تفسیر میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

یہاں ایک بات یہ غور طلب ہے کہ اس آیت میں رأس المال ملنے کے لئے بھی یہ شرط لگائی گئی ہے کہ سود سے توبہ کرلو، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اگر سود سے توبہ نہ کی تو اصل رأس المال بھی ضبط ہوجائے گا۔

اس کی تشریح علمائے تفسیر اور فقہاء رحمہم اللہ نے یہ کی ہے کہ سود سے توبہ نہ کرنے کی بہت سی صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں اصل رأس المال بھی ضبط ہوسکتا ہے، مثلاً سود کو حرام ہی نہ سمجھے تو یہ قرآن کے قطعی حکم کی خلاف ورزی، قانون شکنی کے انداز میں مخالف جتھ بنا کر کی جائے تو ایسا کرنے والے باغی ہیں اور باغیوں کا مال بھی ضبط کر کے بیت المال میں امانت رکھ دیا جاتا ہے کہ جب وہ توبہ کرلیں اور بغاوت

چھوڑ دیں اس وقت ان کو دیا جائے۔

غالبًا اسی قسم کی صورتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ" فرمایا گیا ہے، یعنی اگر تم توبہ نہ کروگے تو اصل رأس المال بھی ضبط ہوسکتا ہے۔

پانچویں آیت (آل عمران: ۱۳۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

یعنی اے ایمان والو! سود مت کھاؤ کئی حصے زائد اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

اس آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے کہ جاہلیتِ عرب میں سودخوری کا عام طور پر یہ طریقہ تھا کہ ایک خاص میعاد معین کے لئے اُدھار پر سود دیا جاتا تھا اور جب وہ میعاد آ گئی اور قرض دار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی تھی کہ سود کی مقدار بڑھادی جائے، اس طرح دُوسری میعاد پر بھی ادائیگی نہ ہوئی تو سود کی مقدار اور بڑھادی، یہ واقعہ عام کتبِ تفسیر میں بالخصوص لبابُ النقول میں بروایت مجاہدؒ مذکور ہے۔

جاہلیتِ عرب کی اس ملت کش رسم کو مٹانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، اس لئے اس میں "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" یعنی کئی حصے زائد فرماکر اُن کے مروّجہ طریقے کی مذمت اور ملت کشی و خودغرضی پر متنبہ فرماکر اس کو ممنوع قرار دیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اضعاف و مضاعف نہ ہو تو حرام نہیں کیونکہ سورۂ بقرہ اور نساء میں مطلقاً رِبا کی حرمت صاف صاف مذکور ہے، اضعاف و مضاعف ہو یا نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآنِ کریم میں جابجا فرمایا ہے: "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا" یعنی میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت مت لو، اس میں "تھوڑی سی قیمت" اس لئے فرمایا کہ

آیاتِ الٰہیہ کے بدلے اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی لے لے تو وہ بھی ''تھوڑی ہی قیمت'' ہوگی، اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کی آیت کے بدلے میں تھوڑی قیمت لینا حرام ہے اور زیادہ لینا جائز، اس طرح اس آیت میں "أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً" کا لفظ ان کے شرمناک طریقے پر نکیر کرنے کے لئے لایا گیا ہے، حرمت کی شرط یا قید نہیں۔

اگر سود کے مروجہ طریقوں پر غور کیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب سودخوری کی عادت پڑ جائے تو پھر سود تنہا سود نہیں رہتا بلکہ لازماً اضعاف و مضاعف ہو جاتا ہے، کیونکہ جو رقم سود سے حاصل ہوکر سودخور کے مال میں شامل ہوئی، اب سود کی اس زائد رقم کو بھی سود پر چلایا جائے گا تو سود مضاعف ہو جائے گا، اس طرح ہر سود اضعاف مضاعف بن کر رہے گا۔ علاوہ ازیں جب سودی کاروبار میں اصل قرض بدستور باقی ہے اور میعاد کا سود لیا جارہا ہے تو ایک زمانے کے بعد ہر سود اصل رأس المال کا اضعاف و مضاعف ہو جائے گا۔

چھٹی اور ساتویں آیتیں (سورۂ نساء: ۱۶۰، ۱۶۱)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا. وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ، وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا.

ترجمہ:- سو یہود کے انہیں بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں بطور سزا حرام کردیں، اور اس سبب سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے، اور اس سبب سے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ اُن کو سود لینے سے ممانعت کردی گئی تھی، اور اس سبب سے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاجاتے تھے، اور ہم نے ان

میں سے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہیں، دردناک سزا کا سامان مقرر کر رکھا ہے۔

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ یہود پر بہت سی ایسی چیزیں بھی بطور سزا کے حرام کردی گئی تھیں جو درحقیقت حرام نہ تھیں کیونکہ حقیقی اور ذاتی طور پر تو ہر شریعت میں صرف وہ چیزیں حرام کی گئی ہیں جو خبیث ہیں، یعنی انسان کی صحتِ جسمانی یا صحتِ رُوحانی کے لئے مضر یا مہلک ہیں، باقی سب طیبات اور پاک ستھری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے حلال قرار دی ہیں، لیکن یہود کے مسلسل گناہوں اور جرائم کی سزا یہ بھی دی گئی کہ بہت سے طیبات کو بھی حرام کر کے ان کو محروم کردیا گیا جس کی تفصیل سورۂ انعام میں آئی: "وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ" الآیۃ۔ اس کے بعد وہ جرائم اور گناہ بتلائے گئے ہیں جو اس سزا کا باعث بنے، اوّل یہ کہ یہ بدنصیب خود تو اللہ کے صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہی تھے اس کے ساتھ یہ جرم بھی کرنے لگے کہ دُوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

دُوسرا جرم یہ بتلایا کہ یہ لوگ سود کھاتے تھے حالانکہ ان پر سود حرام تھا۔ قرآنِ کریم کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ سود کا لین دین بنی اسرائیل پر بھی حرام کیا گیا تھا، آج جو نسخہ توراۃ کا ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ نسخہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے مفقود ہے، اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ موجودہ توراۃ میں سود کی حرمت کا ذکر کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے۔

بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ سود و رِبا ہر شریعت و ملت میں حرام رہا ہے، بہرحال اس آیت نے بتلایا کہ یہود کو جو عذاب اور سزائیں دی گئیں، اس کا ایک سبب سودخوری تھا، اسی لئے حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سود کا رواج ہوجاتا ہے۔

آٹھویں آیت (سورۂ روم: ۳۹)

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ، وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ.

ترجمہ:- اور جو چیز تم اس لئے دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہوجائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تو ایسے لوگ خدا کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

بعض حضراتِ مفسرین نے لفظِ ''رِبا'' اور ''زیادتی'' پر نظر کر کے اس آیت کو بھی سود و بیاج پر محمول فرمایا ہے اور یہ تفسیر فرمائی ہے کہ سود و بیاج کے لینے میں اگرچہ بظاہر مال کی زیادتی نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ زیادتی نہیں، جیسے کسی شخص کے بدن پر ورم ہوجائے تو بظاہر وہ اس کے جسم میں زیادتی ہے لیکن کوئی عقلمند اس کو زیادہ سمجھ کر خوش نہیں ہوتا بلکہ اس کو ہلاکت کا مقدمہ سمجھتا ہے، اس کے بالمقابل زکوٰۃ و صدقات دینے میں اگرچہ بظاہر مال میں کمی آتی ہے مگر درحقیقت وہ کمی نہیں بلکہ ہزاروں زیادتیوں کا موجب ہے، جیسے کوئی شخص مادّۂ فاسد کے اخراج کے لئے مسہل لیتا ہے یا فصد کھلوا کر خون نکلواتا ہے تو بظاہر وہ کمزور نظر آتا ہے اور اس کے بدن میں کمی محسوس ہوتی ہے مگر جاننے والوں کی نظر میں یہ کمی اس کی زیادتی اور قوت کا پیش خیمہ ہے۔

اور بعض علمائے تفسیر نے اس آیت کو سود و بیاج کی ممانعت پر محمول نہیں فرمایا بلکہ اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا مال اِخلاص اور نیک نیتی سے نہیں بلکہ اس نیت سے دے کہ میں اس کو یہ چیز دُوں گا تو وہ مجھے اس کے بدلے میں اس سے زیادہ دے گا جیسے بہت سی برادریوں میں ''نوتہ'' کی رسم ہے کہ وہ ہدیہ کے طور پر نہیں بلکہ بدلہ لینے کی غرض سے دی جاتی ہے، یہ دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی

کرنے کے لئے نہیں، اپنی فاسد غرض کے لئے ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس طرح اگرچہ ظاہر میں مال بڑھ جائے مگر وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، ہاں! جو زکوٰۃ، صدقات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیئے جائیں ان میں اگرچہ بظاہر مال گھٹتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دُگنا چوگنا ہوجاتا ہے۔

اس تفسیر پر آیتِ مذکورہ کا وہ مضمون ہوجائے گا جو دُوسری ایک آیت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: "وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" یعنی آپ کسی پر احسان اس نیت سے نہ کریں کہ اس کے بدلے میں مجھے کچھ مال کی زیادتی حاصل ہوجائے گی۔

اس موقع پر بظاہر یہ دُوسری تفسیر ہی راجح معلوم ہوتی ہے، اوّل اس لئے کہ سورۂ رُوم مکی ہے جس کے لئے اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ اس کی ہر آیت مکی ہو، مگر غالب گمان مکی ہونے کا ضرور ہے جب تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملے، اور آیت کے مکی ہونے کی صورت میں اس کو حرمتِ سود کے مفہوم پر اس لئے محمول نہیں کیا جاسکتا کہ حرمتِ سود مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس آیت سے پہلے جو مضمون آیا ہے اس سے بھی دُوسری تفسیر ہی کا رُجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہے:-

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ.

ترجمہ:- قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔

اس آیت میں رشتہ داروں اور مساکین اور مسافروں پر خرچ کرنے کے ثواب کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی ہو، تو اس کے بعد والی آیتِ مذکورہ میں اس کی توضیح اس طرح کی گئی کہ اگر کوئی مال کسی کو اس

غرض سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ اس کی طرف سے زیادہ ملے گا تو یہ حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے خرچ نہیں ہوا، اس لئے اس کا ثواب نہ ملے گا۔

بہرحال سود کے مسئلے میں اس آیت کو چھوڑ کر بھی سات آیتیں اُوپر آچکی ہیں جن میں سے سورۂ آل عمران کی ایک میں اضعاف و مضاعف سود کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے، اور باقی چھ آیتوں میں مطلق سود کی حرمت کا بیان ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ سود خواہ اضعاف و مضاعف اور سود دَر سود ہو یا اکہرا سود، بہرحال حرام ہے اور حرام بھی ایسا شدید کہ اس کی مخالفت کرنے پر اللہ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ فرمایا گیا ہے۔ رِبا کے متعلق سات آیاتِ قرآن کی مفصل تفسیر سامنے آچکی ہے۔

اس کے بعد اس مسئلے کے متعلق احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے، نفسِ مسئلہ اور اس کا حکم واضح کرنے کے لئے تو چند احادیث کافی تھیں، لیکن مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلے سے متعلق جتنی روایاتِ حدیث مختصر تحقیقات کے ذریعہ جمع ہوسکیں وہ پیش کردی جائیں۔ اس کے پیشِ نظر اپنے پاس موجود کتبِ حدیث سے ان روایاتِ حدیث کو جمع کیا تو تقریباً ایک چہل حدیث[1] اس مسئلے کی بن گئی جس کو ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعین

❖❖❖

---

(۱) بعد میں کچھ اور اضافہ ہوکر احادیث کا عدد چالیس سے بھی بڑھ گیا۔ ۱۲ منہ

چہل حدیث

متعلقہ حرمتِ رِبا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ا:- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ. قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْکُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَکْلُ الرِّبَا، وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ، وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

(الترغیب والترہیب)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ایسی چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں۔ صحابہ (کرامؓ) نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، ایسی جان کو ناحق مار ڈالنا جس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا، سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا، اور جنگ کے روز پیٹھ دِکھا کر بھاگنا، اور بھولی بھالی پاک

دامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔ (اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے)۔

تشریح:- شرک کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں غیرِ خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانے کو، مثلاً خدا تعالیٰ کی طرح اس کو قابلِ عبادت سمجھے یا اس کے نام کی نذریں مانے یا کسی کے علم یا قدرت کو خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے برابر سمجھے، یا ایسے اعمال و افعال جو عبادت کے لئے مخصوص ہیں جیسے رُکوع، سجدہ سجود، طواف وغیرہ یہ افعال سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کے لئے کرے، یہ سب شرک ہیں۔ قرآنِ کریم نے اعلان کردیا ہے کہ جو شخص بحالتِ شرک بغیر توبہ کے مرگیا اس کی بخشش ہرگز نہ ہوگی۔

۲:- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ اَتَيَانِيْ فَاَخْرَجَانِيْ اِلٰى اَرْضٍ مُّقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَّعَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا الَّذِيْ رَاَيْتُهٗ فِي النَّهْرِ؟ قَالَ: اٰكِلُ الرِّبَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ هٰكَذَا فِي الْبُيُوْعِ مُخْتَصَرًا وَتَقَدَّمَ فِيْ تَرْكِ الصَّلٰوةِ مُطَوَّلًا.

ترجمہ:- حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور مجھ کو ایک مقدس سرزمین کی طرف لے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک خون کی نہر پر

پہنچے، اس کے درمیان ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے کنارے پر ایک شخص ہے، اس کے سامنے بہت سے پتھر پڑے ہیں، نہر کے اندر والا شخص نہر کے کنارے کی طرف آتا ہے، جس وقت نکلنا چاہتا ہے کنارے والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر کر اپنی جگہ جا پہنچتا ہے، پھر جب کبھی نکلنا چاہتا ہے اسی طرح اس کے منہ پر پتھر مار مار کر اس کو اپنی پہلی جگہ لوٹا دیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: وہ کون شخص تھا جس کو میں نے نہر میں دیکھا؟ فرمایا: سودخور۔ (اس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے)۔

۳:- وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمُ وَالنَّسَائِيُّ، وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ، وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ حَبَّانِ فِيْ صَحِيْحِهٖ كُلُّهُمْ مِنْ رِوَايَةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ اَبِيْهِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ، وَزَادُوْا فِيْهِ: وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے (یعنی سود لینے والے اور سود دینے والے پر)۔ اس کو مسلم اور نسائی، ابوداؤد اور ترمذی، ابنِ ماجہ، ابنِ حبان نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ایک روایت میں اس کے ساتھ سود کی شہادت دینے والوں اور کتابت کرنے والوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

۴:- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبَا وَمُوْکِلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاهِدَیْہِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَآءٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّغَیْرُہٗ.

ترجمہ:- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔

۵:- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْکَبَائِرُ سَبْعٌ اَوَّلُهُنَّ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ بِغَیْرِ حَقِّهَا، وَاَکْلُ الرِّبَا، وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ، وَفِرَارُ یَوْمِ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ وَالْاِنْتِقَالُ اِلَی الْاَعْرَابِ بَعْدَ هِجْرَتِہٖ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ مِنْ رِوَایَةِ عَمْرِو بْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ وَلَا بَأْسَ بِہٖ فِی الْمُتَابِعَاتِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہ سات ہیں، ان میں پہلا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور (دوسرا گناہ) ناحق کسی شخص کو مار ڈالنا، اور (تیسرا گناہ) سود کھانا، اور (چوتھا گناہ) یتیم کا مال ناجائز طور پر کھالینا، اور (پانچواں گناہ) جہاد سے بھاگنا، اور (چھٹا گناہ) پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا، اور (ساتواں گناہ) ہجرت کرنے کے بعد اعراب (دیہات) کی طرف لوٹ جانا۔ (اس کو بزار نے عمرو بن ابی شیبہ کی سند سے

روایت کیا ہے)۔

۶:- وَعَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَاٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَنَهٰی عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِیِّ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرِیْنَ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ (قَالَ الْحَافِظُ) اَبِیْ جُحَیْفَةَ وَهْبُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ السُّوَائِیِّ.

ترجمہ:- حضرت عون بن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گودنے والی عورت اور گدوانے والی عورت پر، اور سود لینے والے اور سود دینے والے پر لعنت بھیجی ہے، اور کتے کی قیمت اور رنڈی کی کمائی سے ممانعت فرمائی ہے، اور تصویر کھینچنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (اس کو بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)۔

۷:- وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اٰكِلُ الرِّبَا وَمُوْكِلُهٗ وَشَاهِدَاهُ وَكَاتِبَاهُ اِذَا عَلِمُوْا بِهٖ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ لِلْحُسْنِ وَلَاوِی الصَّدَقَةِ وَالْمُرْتَدُّ اَعْرَابِیَّةً بَعْدَ الْهِجْرَةِ مَلْعُوْنُوْنَ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ یَعْلٰی وَابْنُ خُزَیْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهِمَا وَزَادَا فِیْ اٰخِرِهٖ: یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (قَالَ الْحَافِظُ) رَوَاهُ كُلُّهُمْ عَنِ الْحَارِثِ وَهُوَ الْاَعْوَرُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اِلَّا ابْنُ خُزَیْمَةَ فَاِنَّهٗ رَوَاهُ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: سود کھانے اور کھلانے والا اور اس کے دونوں گواہ اور دونوں کے کاتب جبکہ اس کو جانتے ہوں کہ یہ معاملہ سود کا ہے، اور خوبصورتی کے لئے گودنے والی اور گدوانے والی عورت اور صدقہ کو ٹالنے والا اور ہجرت کے بعد اپنے وطن کی طرف واپس ہوجانے والا، یہ سب بزبانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (بروزِ قیامت) ملعون ہوں گے۔ اس کو احمد اور ابویعلیٰ نے اور ابنِ خزیمہ اور ابنِ حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے۔

۸:- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَرْبَعٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰهِ اَنْ لَّا یُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ وَلَا یُذِیْقَهُمْ نَعِیْمَهَا، مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَآكِلُ الرِّبَا، وَآكِلُ مَالِ الْیَتِیْمِ بِغَیْرِ حَقٍّ، وَالْعَاقُّ لِوَالِدَیْهِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ خَثِیْمِ بْنِ عِرَاكٍ وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَقَالَ: صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: چار شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کریں گے اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائیں گے۔ (ایک تو) عادی شرابی، (دُوسرے) سود کھانے والا، (تیسرے) ناحق یتیم کا مال اُڑانے والا، (چوتھے) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔ (اس کو حاکم نے ابراہیم بن خثیم بن عراک .... الخ سے روایت کیا ہے، اور حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے)۔

۹:- وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلرِّبَا ثَلَاثٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا، اَيْسَرُهَا مِثْلُ اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهُ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ، وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيْقِ الْحَاكِمِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَالْمَتْنُ مُنْكَرٌ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَا اَعْلَمُهُ اِلَّا وَهْمًا وَكَاَنَّهُ دَخَلَ لِبَعْضِ رُوَاتِهِ اَسْنَادٌ فِيْ اِسْنَادٍ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ یعنی ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے وبال تہتر قسم کے ہیں، سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ اس کو حاکم نے روایت کیا، اور بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

۱۰:- وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلرِّبَا بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا وَالشِّرْكُ مِثْلُ ذٰلِكَ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَرُوَاتُهُ رُوَاةُ الصَّحِيْحِ وَهُوَ عِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ بِاخْتِصَارٍ: وَالشِّرْكُ مِثْلُ ذٰلِكَ.

ترجمہ:- انہیں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سود کے مفاسد کچھ اُوپر ستر ہیں اور شرک اس کے برابر ہے۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۱۱:- وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ بَابًا، اَدْنَاهَا كَالَّذِيْ

يَقَعُ عَلٰى اُمِّهٖ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ لَّا بَأْسَ بِهٖ، ثُمَّ قَالَ: غَرِيْبٌ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ، وَاِنَّمَا يُعْرَفُ بِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عِكْرَمَةَ يَعْنِي ابْنَ عَمَّارٍ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ هٰذَا مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے مفاسد کی ستر قسمیں ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔

۱۲:- وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلدِّرْهَمُ يُصِيْبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ ثَلٰثَةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً يَّزْنِيْهَا فِي الْاِسْلَامِ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ، وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا وَالْبَغَوِيُّ وَغَيْرُهُمَا مَوْقُوْفًا عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ وَلَفْظُ الْمَوْقُوْفِ فِيْ اَحَدِ طُرُقِهٖ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ حُوْبًا، اَصْغَرُهَا حُوْبًا كَمَنْ اَتٰى اُمَّهٗ فِي الْاِسْلَامِ، وَدِرْهَمٌ مِّنَ الرِّبَا اَشَدُّ مِنْ بِضْعٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً. قَالَ: وَيَأْذَنُ اللّٰهُ بِالْقِيَامِ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اٰكِلَ الرِّبَا فَاِنَّهٗ لَا يَقُوْمُ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک درہم کوئی سود سے حاصل کرے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان ہونے کے باوجود تینتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔ اس کو

طبرانی نے کبیر میں عطاء خراسانی کی سند سے عبداللہؒ کے واسطے سے روایت کیا ہے ....الخ۔ دُوسری ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا: سود کے بہتر گناہ ہیں، ان میں سب سے چھوٹا گناہ اس شخص کے گناہ کے برابر ہے جو مسلمان ہوکر اپنی ماں سے زنا کرے، اور ایک درہم سود کا گناہ کچھ اُوپر تیس زنا سے زیادہ بدتر ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر نیک و بد کو کھڑے ہونے کی اجازت دیں گے مگر سودخور کو تندرستوں کی طرح کھڑا ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا، بلکہ وہ اس طرح کھڑا ہوگا جیسے کسی کو شیطان، جن وغیرہ نے لپٹ کر خبطی بنادیا ہو۔

۱۳:- وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلٰئِكَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةٍ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَرِجَالُ اَحْمَدَ رِجَالُ الصَّحِيْحِ (قَالَ الْحَافِظُ) حَنْظَلَةُ وَالِدُ عَبْدِاللّٰهِ لُقِّبَ بِغَسِيْلِ الْمَلٰئِكَةِ لِاَنَّهٗ كَانَ يَوْمَ اُحُدٍ جُنُبًا وَّقَدْ غسل احد شِقَّيْ رَأْسِهٖ فَلَمَّا سَمِعَ الصَّيْحَةَ خرج فَاسْتُشْهِدَ فقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ رَأَيْتُ الْمَلٰئِكَةَ تَغْسِلُهٗ.

ترجمہ:- اور حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ غسیل ملائکہ نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کا ایک درہم کھانا چھتیس زنا سے زیادہ شدید ہے بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔

(اس روایت کو امام احمد وطبرانی نے روایت کیا ہے، اور سند امام

احمد مثل سند صحیح بخاری کے ہے، اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسیلِ ملائکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس وقت غزوۂ اُحد کا اعلان ہوا اور صحابہ کرامؓ جہاد کے لئے نکلنے لگے اس وقت یہ جنابت کی حالت میں تھے، غسل کرنا شروع کیا تھا کہ یہ آواز کان میں پڑ گئی، انہوں نے دعوتِ جہاد میں اتنی دیر کرنا بھی پسند نہ کیا کہ غسل پورا کر کے فارغ ہو جاتے، بلکہ اسی حالت میں فوراً باہر آئے اور مجاہدین کے ساتھ شریک ہو گئے، اور اتفاقاً اسی حالت میں یہ شہید ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں)۔

۱۴:- وَرُوِیَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ اَمْرَ الرِّبَا وَعَظَّمَ شَأْنَہٗ وَقَالَ: اِنَّ الدِّرْھَمَ یُصِیْبُہُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ فِی الْخَطِیْئَۃِ مِنْ سِتَّۃٍ وَّثَلٰثِیْنَ زَنْیَۃً یَّزْنِیْھَا الرَّجُلُ، وَاِنَّ اَرْبَی الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ. رَوَاہُ ابْنُ اَبِی الدُّنْیَا فِیْ کِتَابِ ذَمِّ الْغِیْبَۃِ وَالْبَیْھَقِیُّ.

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور سود کا بہت اہتمام سے ذکر فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ: کسی شخص کا ایک سودی درہم کھانا اللہ کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے۔ (اور پھر فرمایا کہ) سب سے بڑا یہ سود ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو پر حملہ کیا جائے۔ (اس روایت کو بیہقی اور ابنِ ابی الدنیا نے روایت کیا ہے)۔

۱۵:- وَرُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا بِبَاطِلٍ لِیُدْحِضَ بِہٖ حَقًّا فَقَدْ بَرِیَٔ مِنْ ذِمَّۃِ اللّٰہِ وَذِمَّۃِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ اَکَلَ دِرْھَمًا مِنْ رِبًا فَھُوَ مِثْلُ ثَلٰثَۃٍ وَّثَلٰثِیْنَ زَنْیَۃٍ وَّمَنْ نَبَتَ لَحْمُہٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ.

رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الصَّغِیْرِ وَالْاَوْسَطِ وَالْبَیْھَقِیُّ.

ترجمہ:- حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی ظالم کی خلافِ حق حمایت کی تا کہ حق والے کا حق ضائع کر دے تو اللہ اور اس کے رسول اس سے بری الذمہ ہیں، اور جو شخص سود کا ایک درہم کھائے تو یہ تینتیس زنا کے برابر ہے، اور جس شخص کا گوشت مالِ حرام سے پیدا ہو وہ دوزخ کے قابل ہے۔

۱۶:- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا، اَدْنَاھَا مِثْلُ اِتْیَانِ الرَّجُلِ اُمَّہٗ، وَاِنَّ اَرْبَی الرِّبَا اسْتِطَالَۃُ الرَّجُلِ فِیْ عِرْضِ اَخِیْہِ. رَوَاہُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ مِنْ رِوَایَۃِ عَمْرِو بْنِ رَاشِدٍ وَقَدْ وُثِّقَ.

ترجمہ:- براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے بہتر دروازے ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے، اور سب سے بدترین سود یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی کی عزت پر دست درازی کرے۔

۱۷:- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ کِلَاهُمَا عَنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ وَقَدْ وُثِّقَ عَنْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْهُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستّر گناہ ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

۱۸:- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُشْتَرَی الثَّمَرَةُ حَتّٰی تُطْعَمَ، وَقَالَ: اِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِیْ قَرْیَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ. رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَقَالَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ.

ترجمہ:- حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے جانے کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی بستی میں سود اور زنا پھیل جائے تو گویا بستی والوں نے اللہ کے عذاب کو اپنے اُوپر اُتار لیا۔ (اس حدیث کو حاکمؒ نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: یہ صحیح الاسناد ہے)۔

۱۹:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَکَرَ حَدِیْثًا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ فِیْهِ: مَا ظَهَرَ فِیْ قَوْمٍ ن الزِّنَا وَالرِّبَا اِلَّا اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ. رَوَاهُ اَبُوْ یَعْلٰی بِاِسْنَادٍ جَیِّدٍ.

ترجمہ:- حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی ایک حدیث نقل فرمائی جس میں یہ ہے کہ: جس قوم میں زنا اور سود پھیل گیا، انہوں نے یقیناً اللہ کے عذاب کو اپنے اُوپر اُتار لیا۔

۲۰:- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ قَوْمٍ يَّظْهَرُ فِيْهِمُ الرِّبَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ بِاِسْنَادٍ فِيْهِ نَظَرٌ.

ترجمہ:- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس قوم میں سود پھیل جائے وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

۲۱:- وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ لَمَّا انْتَهَيْنَا اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقِيْ فَاِذَا اَنَا بِرَعْدٍ وَّبُرُوْقٍ وَّصَوَاعِقَ. قَالَ: فَاَتَيْتُ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ، قُلْتُ: يَا جِبْرِيْلُ! مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَآءِ اَكَلَةُ الرِّبَا. رَوَاهُ اَحْمَدُ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ وَابْنُ مَاجَةَ مُخْتَصَرًا وَالْاَصْبَهَانِيُّ اَيْضًا مِنْ طَرِيْقِ اَبِيْ هَارُوْنَ الْعَبْدِيِّ وَاسْمُهُ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْنٍ وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا عُرِجَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ نَظَرَ فِي السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَاِذَا رِجَالٌ بُطُوْنُهُمْ كَاَمْثَالِ الْبُيُوْتِ الْعِظَامِ قَدْ

مَالَتْ بُطُوْنُهُمْ وَهُمْ مُنَضَّدُوْنَ عَلٰى سَابِلَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ يُوْقَفُوْنَ عَلَى النَّارِ كُلَّ غَدَاةٍ وَّعَشِيٍّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا لَا تُقِمِ السَّاعَةَ اَبَدًا، قُلْتُ: يَا جِبْرِيْلُ! مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَآءِ اَكَلَةُ الرِّبَا مِنْ اُمَّتِكَ (لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ). قَالَ الْاَصْبَهَانِىُّ قَوْلُهُ "مُنَضَّدُوْنَ" اَىْ طُرِحَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، وَالسَّابِلَةُ الْمَارَّةُ اَىْ يَتَوَطَّؤُهُمْ اٰلُ فِرْعَوْنَ الَّذِيْنَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى غَدَاةٍ وَّعَشِيٍّ، انتهٰى.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات جب ساتویں آسمان پر پہنچ کر میں نے اُوپر نظر اُٹھائی تو میں نے چمک، کڑک اور گرج دیکھی۔ پھر فرمایا کہ: میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے، ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے، میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ: یہ سودخور ہیں۔ اصبہانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمانِ دُنیا پر ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کے پیٹ کوٹھریوں کی طرح پھولے ہوئے تھے اور جھکے ہوئے تھے، اور انہیں آلِ فرعون کے راستے میں تہ بر تہ ایک دُوسرے کے اُوپر ڈالا ہوا تھا، آلِ فرعون جب صبح وشام جہنم کے سامنے کھڑے کئے جاتے ہیں تو ان لوگوں کے اُوپر سے روندتے ہوئے گزرتے ہیں، یہ لوگ

دُعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ! قیامت کبھی قائم نہ فرمانا (کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ قیامت کے روز جہنم کے اندر جانا ہوگا)۔
(رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:) میں نے کہا: جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ آپ کی اُمت کے سودخور ہیں جو اسی طرح کھڑے ہوں گے جس طرح ایسا شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے خبطی بنادیا ہو۔

۲۲:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ يَظْهَرُ الرِّبَا وَالزِّنَا وَالْخَمْرُ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرُوَاتُهُ رُوَاةُ الصَّحِيْحِ.

ترجمہ:- حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب کی کثرت[۱] ہوجائے گی۔

۲۳:- وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِالْوَاحِدِ الْوَرَّاقِ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي السُّوْقِ فِي الصَّيَارِفَةِ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الصَّيَارِفَةِ اَبْشِرُوْا! قَالُوْا: بَشَّرَكَ اللّٰهُ بِالْجَنَّةِ، بِمَ تُبَشِّرُنَا يَا اَبَا مُحَمَّدٍ؟ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَبْشِرُوْا بِالنَّارِ! رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِاِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهٖ.

ترجمہ:- حضرت قاسم بن عبدالواحد ورّاق فرماتے ہیں کہ: میں

---

(۱) اس میں یہ بات غور طلب ہے کہ حدیث کی پیش گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، لیکن جس ربا کی کثرت ہو رہی ہے، مہاجنی ربا کو تو اب مہاجن بھی بُرا کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس ربا کو قرآن میں حرام کہا ہے وہ تجارتی، مہاجنی ہر قسم کے ربا پر حاوی ہے۔ ۱۲ منہ

نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کو صرافوں کے بازار میں دیکھا، آپؓ نے فرمایا: اے صرافو خوشخبری سنو! صرافوں نے کہا کہ: اے ابو محمد! اللہ آپ کو جنت سے سرفراز فرمائے، آپ ہمیں کس چیز کی خوشخبری دے رہے ہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تمہیں دوزخ کی خوشخبری ہو! (تم دوزخ کے لئے تیار ہوجاؤ)۔ (کیونکہ سونے چاندی کی خرید وفروخت میں اُدھار جائز نہیں اور صرافہ والے عموماً حساب کھاتہ پر اُدھار کے معاملات کرتے رہتے ہیں، وہ سود ہے)۔

۲۴:- وَرُوِیَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِیَّاکَ وَالذُّنُوْبَ الَّتِیْ لَا تُغْفَرُ، اَلْغُلُوْلُ فَمَنْ غَلَّ شَیْئًا اَتٰی بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَاٰکِلُ الرِّبَا فَمَنْ اَکَلَ الرِّبَا بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَجْنُوْنًا یَتَخَبَّطُ ثُمَّ قَرَأَ: اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ وَالْاَصْبَھَانِیُّ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسٍ وَلَفْظُہٗ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَأْتِیْ اٰکِلُ الرِّبَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مُخَبَّلًا یَجُرُّ شَفَتَہٗ ثُمَّ قَرَأَ: لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. قَالَ الْاِصْبَھَانِیُّ: اَلْمُخَبَّلُ الْمَجْنُوْنُ.

ترجمہ:- حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان گناہوں سے بچو جن کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک ان میں سے مالِ غنیمت میں چوری کرنا

ہے، جس شخص نے کوئی چیز بطور خیانت مالِ غنیمت میں سے لے
لی تو قیامت کے دن اس سے وہ چیز منگوائی جائے گی، سود کھانے
سے بچو، اس لئے کہ سودخور قیامت میں مجنون اور مخبوط الحواس
ہوکر اُٹھایا جائے گا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت
فرمائی: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں
گے جو شیطان سے متاثر ہوکر مخبوط الحواس ہوگیا ہو۔ طبرانی اور
اصبہانی نے یہ حدیث حضرت انسؓ سے بایں الفاظ روایت کی ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سودخور اپنا
ہونٹ گھسیٹتا ہوا تباہ حالت میں آئے گا۔ اور اس کے بعد حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

۲۵:- وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا اَحَدٌ اَكْثَرَ مِنَ الرِّبَا اِلَّا كَانَ
عَاقِبَةُ اَمْرِهٖ اِلٰى قِلَّةٍ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ:
صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ، وَفِيْ لَفْظٍ لَّهٗ قَالَ: اَلرِّبَا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ
عَاقِبَتَهٗ اِلٰى قُلٍّ. وَقَالَ فِيْهِ اَيْضًا صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سود کے
ذریعے سے زیادہ مال کمایا، انجامِ کار اس میں کمی ہوگی۔

فائدہ:- امامِ حدیث عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ معمر نے فرمایا
کہ: ہم نے سنا ہے کہ سودی کام پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس پر گھاٹا
(محاق) آجاتا ہے، یعنی کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے جو اس کو نقصان پہنچادیتا ہے۔

۲۶:- وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا اٰكِلَ الرِّبَا، فَمَنْ لَّمْ يَأْكُلْهُ اَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهٖ.

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ كِلَاهُمَا مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاخْتُلِفَ فِيْ سِمَاعِهٖ وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سودخوری سے بچ بھی گیا تو اس کا غبار ضرور پہنچ کر رہے گا۔

فائدہ:- یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ حدیث کی پیش گوئی کے مطابق سود کا رواج اتنا بڑھا کہ بڑے سے بڑا متقی آدمی بھی سود کے شائبہ یا کسی نہ کسی درجے میں استعمال سے نہیں بچ سکتا، مگر جو سود اس درجے میں عام ہو وہ تجارتی سود ہے، مہاجنی اور عرفی سود نہیں، اس سے معلوم اور ثابت ہوا کہ تجارتی سود بھی حرام ہے۔۱۲منہ

۲۷:- وَرُوِيَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! لَيَبِيْتَنَّ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عَلٰى اَشَرٍ وَّبَطَرٍ وَّلَعِبٍ وَّلَهْوٍ فَيُصْبِحُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ بِارْتِكَابِهِمُ الْمَحَارِمَ وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَيْنَاتِ وَشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ وَاَكْلِهِمُ الرِّبَا وَلُبْسِهِمُ الْحَرِيْرَ.

رَوَاهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْاِمَامِ اَحْمَدَ فِيْ زَوَائِدِهٖ.

ترجمہ:- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میری اُمت کے کچھ لوگ غرور وتکبر، لہو

ولعب کی حالت میں رات گزاریں گے، وہ صبح کے وقت بندر اور خنزیر بن جائیں گے، کیونکہ انہوں نے حرام کو حلال ٹھہرایا اور گانے والی عورتیں رکھیں اور شراب پی اور سود کھایا اور ریشم کا لباس پہنا تھا۔

۴۸:- وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: یَبِیْتُ قَوْمٌ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ عَلٰی طُعْمٍ وَّشُرْبٍ وَّلَھْوٍ وَّلَعِبٍ فَیُصْبِحُوْا قَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِیْرَ وَلَیُصِیْبَنَّھُمْ خَسْفٌ وَقَذْفٌ حَتّٰی یُصْبِحَ النَّاسُ فَیَقُوْلُوْنَ: خُسِفَ اللَّیْلَةَ بِبَنِیْ فُلَانٍ وَخُسِفَ اللَّیْلَةَ بِدَارِ فُلَانٍ، وَلَتُرْسَلَنَّ عَلَیْھِمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ کَمَا اُرْسِلَتْ عَلٰی قَوْمِ لُوْطٍ عَلٰی قَبَائِلَ فِیْھَا وَعَلٰی دُوْرٍ وَّلَتُرْسَلَنَّ عَلَیْھِمُ الرِّیْحُ الْعَقِیْمُ الَّتِیْ ھَلَکَتْ عَادًا عَلٰی قَبَائِلَ فِیْھَا وَعَلٰی دُوْرٍ بِشُرْبِھِمُ الْخَمْرَ وَلُبْسِھِمُ الْحَرِیْرَ وَاتِّخَاذِھِمُ الْقَیْنَاتِ وَاَکْلِھِمُ الرِّبَا وَقَطِیْعَةِ الرَّحِمِ۔ وَخَصْلَةٍ نَسِیَھَا جَعْفَرُ.

رَوَاہُ اَحْمَدُ مُخْتَصَرًا وَالْبَیْھَقِیُّ وَاللَّفْظُ لَہٗ.

ترجمہ:- حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اُمت کی ایک جماعت کھانے پینے اور لہو ولعب (کھیل کود) کی حالت میں رات گزارے گی، تو وہ ایسی حالت میں صبح کرے گی کہ بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہوگئی ہو، اور اسی اُمت کے بعض افراد کو خسف (زمین میں دھنس جانے) اور قذف (آسمان سے پتھر برسنے کا) ضرر پہنچے گا، یہاں تک کہ جب لوگ صبح اُٹھیں گے تو آپس میں یوں کہیں

گے کہ: آج رات فلاں خاندان زمین میں دھنس گیا اور فلاں کا گھربار زمین میں دھنس گیا۔ اور ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، جس طرح قومِ لوط پر برسائے گئے تھے اس کے قبائل پر اور گھروں پر، اور ان پر نہایت تیز تند آندھی بھیجی جائے گی جس نے قومِ عاد کو تباہ کردیا تھا اس کے قبائل اور گھروں پر، یہ دھنسانے اور پتھر برسانے کا عذاب ان کے شراب پینے اور ریشم پہننے اور سود کھانے اور قطع رحمی کرنے کی وجہ سے ہوگا اور ایک اور خصلت کی وجہ سے ہوگا جس کو جعفر (اس حدیث کے راوی) بھول گئے ہیں، اس حدیث کو امام احمد نے مختصراً روایت کیا ہے، یہ الفاظ بیہقی کے ہیں۔

۲۹:- عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ النَّوْحِ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سود لینے والے اور سود دینے والے پر، اور سود (کی تحریر یا حساب) لکھنے والے اور صدقہ (واجبہ) نہ دینے والے پر لعنت فرماتے ہوئے سنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوحہ (بلند آواز سے رونے) کو منع فرماتے تھے۔

۳۰:- عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا، فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ.

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

ترجمہ:- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ہوگیا، لہٰذا سود بھی چھوڑ دو اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

فائدہ:- حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کی پوری تفصیل و تشریح شروع رسالے میں گزر چکی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سود و رِبا کی اس خاص صورت سے متعلق ہے جو رِبا کے معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے اضافہ ہوئی ہے، یعنی چھ چیزوں کی باہمی بیع وشراء میں کمی بیشی یا اُدھار کرنے کو سود قرار دیا ہے، جیسا کہ بعد کی حدیث نمبر ۳۱، ۳۲، ۳۳ میں یہ مضمون آرہا ہے۔

اس میں یہ اشتباہ رہا کہ ان چھ چیزوں کے حکم میں دُوسری اشیاء داخل ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کس علت اور کس ضابطے سے؟

باقی رِبا کا وہ متعارف مفہوم جو نزولِ قرآن سے پہلے بھی نہ صرف سمجھا جاتا تھا، بلکہ عرب میں اس کے معاملات کا عام رواج تھا، نہ اس میں کوئی ابہام و اشتباہ تھا، نہ اس میں فاروقِ اعظمؓ یا کسی دُوسرے صحابی کو کبھی کوئی تردّد پیش آیا۔

۳۱:- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَبِیْعُوا الذَّھَبَ بِالذَّھَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تَشِفُّوْا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ، وَلَا تَبِیْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تَشِفُّوْا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ، وَلَا تَبِیْعُوْا مِنْھَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں صرف اس صورت میں بیچو جب برابر ہو، اور اس میں بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو، اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں صرف اس صورت میں بیچو جب برابر ہو، اور اس میں بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو، اور ان میں سے کسی غیر موجود چیز کو موجود کے بدلے میں نہ بیچو، یعنی اُدھار فروخت نہ کرو۔

۳۲:- عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ، فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَآءٌ.

رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا مبادلہ چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، چھوارے کا چھوارے سے، نمک کا نمک سے، برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہئے، جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا، تو اس نے سودی معاملہ کیا، لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

۳۳:- عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ

بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ترجمہ:- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، چھوارے کا چھوارے سے، نمک کا نمک سے، برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہئے، اور جب یہ اصناف بدل جائیں (یعنی گیہوں کا جو سے اور سونے کا چاندی سے مبادلہ کیا جائے) تو جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو، لیکن یہ خرید و فروخت بھی ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونی چاہئے۔

۳۴:- عَنِ الشَّعْبِي قَالَ: كَتَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أَهْلِ نَجْرَانَ وَهُمْ نَصَارٰى: أَنَّ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ بِالرِّبَا فَلَا ذِمَّةَ لَهُ.

(کنز العمال برمز ابن ابی شیبۃ ج: ۲ ص: ۲۳۴)

ترجمہ:- امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ اہلِ نجران کو ایک فرمان بھیجا جس میں تحریر تھا کہ: تم میں سے جو شخص رِبا کا کاروبار کرے گا وہ ہمارا ذمی ہو کر نہیں رہ سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا قانونِ رِبا پوری مملکت کے سب لوگوں پر حاوی تھا۔

۳۵:- عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ

عَنْهُمَا قَالَا: سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا تَاجِرَيْنِ فَقَالَ: إِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ وَلَا يَصْلَحُ نَسِيَّةً. (کنز برمز عبدالرزاق فی الجامع ج:۲ ص:۲۳۲)

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ہم تاجر تھے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اپنے کاروبار کے متعلق) سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر معاملہ دست بدست ہو تو مضائقہ نہیں، مگر اُدھار پر یہ معاملہ جائز نہیں۔

یہ سوال بظاہر دو مختلف جنسوں کو باہم کم و بیش فروخت کرنے کے متعلق تھا، جیسا کہ دُوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۶:- عَنِ امْرَأَةِ أَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقُلْتُ: بِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ جَارِيَةً إِلَى الْعَطَاءِ بِثَمَانِمِائَةٍ وَابْتَعْتُهَا مِنْهُ بِسِتِّمِائَةٍ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: بِئْسَ وَاللهِ مَا اشْتَرَيْتِ أَبْلِغِيْ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ أَنَّهُ قَدْ أَبْطَلَ جِهَادَهُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنْ يَّتُوْبَ. قَالَتْ: أَفَرَأَيْتِ إِنْ أَخَذْتُ رَأْسَ مَالِيْ؟ قَالَتْ: لَا بَأْسَ، مَنْ جَآءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ، وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ.

(کنز العمال برمز عبد الرزاق فی الجامع وابن ابی حاتم ج:۲ ص:۲۳۳)

ترجمہ:- حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی ایک کنیز (سرکاری

عطا ملنے کے وقت تک) اُدھار پر آٹھ سو روپے میں فروخت کی اور پھر یہی کنیز اُن سے چھ سو روپے میں خرید لی (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گویا چھ سو روپے قرض دے کر میعادِ مقررہ پر آٹھ سو روپے کی مستحق ہوگئی، دو سو روپے نفع کے مل گئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: خدا کی قسم! تم نے نہایت بُرا معاملہ کیا ہے، زید بن ارقمؓ کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ تم نے یہ (سودی معاملہ کرکے) اپنا جہاد ضائع کردیا جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا، زوجۂ ابوسفیانؓ نے عرض کیا: تو یہ بتلایئے کہ اگر میں ان سے صرف اپنا رأس المال یعنی چھ سو روپے لے لوں، باقی چھوڑ دُوں تو کیا گناہ سے بَری ہوجائیں گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ہاں! جس شخص کو اس کے رَبّ کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ اپنے گناہ سے باز آجائے تو پچھلا گناہ معاف ہوجاتا ہے، اور قرآن میں اس کا فیصلہ خود موجود ہے کہ جس نے سودی معاملہ کرلیا ہو اس کو اصل رأس المال ملے گا زیادتی نہ ملے گی۔

۳۷:- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهُ: اِنِّیْ اَقْرَضْتُ رَجُلًا قَرْضًا فَاَهْدٰی لِیْ هَدِیَّةً. قَالَ: ثِبْهُ مَکَانَهٗ هَدِیَّةً اَوْ اِحْسَبْهَا لَهٗ مِمَّا عَلَیْهِ.

(کنز برمز عبدالرزاق فی الجامع ج:۲ ص:۲۳۴)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ: میں نے ایک شخص کو قرض دیا تھا، اس نے مجھے ایک ہدیہ پیش کیا، تو یہ میرے لئے حلال ہے؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: یا تو اس کے ہدیہ کے بدلے میں تم بھی کوئی ہدیہ اس کو دے دو یا پھر اس ہدیہ کی قیمت ان کے قرض میں مجرا کردو یا ہدیہ واپس کردو، (وجہ یہ ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اس نے قرض کے بدلے میں یہ ہدیہ دیا ہو)۔[1]

۳۸:- عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ قَرْضًا فَاَھْدٰی اِلَیْہِ طَبَقًا فَلَا یَقْبَلْہُ اَوْ حَمَلَہٗ عَلٰی دَآبَّتِہٖ فَلَا یَرْکَبْھَا اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ جَرٰی بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ مِثْلُ ذٰلِکَ۔

(ابن ماجۃ باب القرض وسنن البیھقی)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تم کسی بھائی کو قرض دو پھر وہ تمہیں کوئی طبق کھانے وغیرہ کا بطورِ ہدیہ پیش کرے تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرو، یا وہ اپنی سواری پر تمہیں سوار کرے تو تم سوار نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ قرض دینے سے پہلے بھی ان دونوں میں اس طرح کے معاملات ہدیہ لینے دینے کے جاری ہوا تو ہدیہ لینا جائز ہے، (کیونکہ اس صورت میں یہ واضح ہے کہ یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں دیا گیا)۔

۳۹:- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ اَنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَھْدٰی اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِنْ ثَمْرَۃِ اَرْضِہٖ فَرَدَّھَا فَقَالَ اُبَیٌّ: لِمَ رَدَدْتَّ ھَدِیَّتِیْ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنِّیْ مِنْ اَطْیَبِ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ثَمْرَۃً، خُذْ عَنِّیْ مَا تَرُدُّ عَلَیَّ ھَدِیَّتِیْ، وَکَانَ عُمَرُ اَسْلَفَہٗ عَشْرَۃَ اٰلَافِ دِرْھَمٍ۔

(کنز برمز البخاری ومسلم وعبدالرزاق فی الجامع ج:۳ ص:۲۳۸)

---

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سود دینے والا اس پر راضی بھی ہو تب بھی سود جائز نہیں ہوتا، اس میں تراضیٔ طرفین کافی نہیں ہے ۱۲ منہ

ترجمہ:- محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے باغ کا پھل بطورِ ہدیہ بھیجا، حضرت فاروقِ اعظمؓ نے واپس کردیا، اُبَیّ بن کعبؓ نے شکایت کی اور عرض کیا کہ: آپ جانتے ہیں کہ میرے باغ کا پھل سارے مدینہ میں لطیف و افضل ہے (یعنی ظاہری عمدگی کے اعتبار سے یا حلال طیب ہونے کے اعتبار سے)، پھر آپ نے اس کو کیوں رَد کردیا؟ اس کو واپس لیجئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم قرض دیئے تھے، خطرہ یہ ہوا کہ کہیں یہ ہدیہ اس قرض کے عوض میں نہ ہو، بعد میں اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی یقین دہانی اور ان کے سابقہ معاملات پر نظرِ ثانی فرماکر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالیا، جیسا کہ اُوپر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسی صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس میں قرض لینے اور دینے والے کے درمیان پہلے سے ہدیہ دینے کا رواج تھا، اور یہی وجہ ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر قبولِ ہدیہ کا اصرار کرنے کے باوجود حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کا خود بھی فتویٰ یہی ہے کہ جس شخص کے ذمہ اپنا قرض ہو، اس سے ہدیہ قبول کرنا دُرست نہیں، جیسا کہ روایت نمبر۴۰ سے واضح ہے۔[1]

۴۰:- وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِذَا اَقْرَضْتَ

(۱) ظاہر یہ ہے کہ اس زمانے میں دس ہزار کی رقم کوئی معمولی رقم نہ تھی، جس کو کسی مصیبت کے رفع کرنے کے لئے لیا گیا ہو، بلکہ تجارتی قسم کا سود معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

رَجُلًا قَرْضًا فَاَهْدٰی لَکَ هَدِیَّۃً فَخُذْ قَرْضَکَ وَارْدُدْ اِلَیْهِ هَدِیَّتَهٗ.

(کنز برمز عبدالرزاق فی الجامع ج:۳ ص:۲۳۸)

ترجمہ:- اور حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب تم کسی کو قرض دو، پھر وہ تم کو کچھ ہدیہ دے، پس اپنا قرض لے لیا کرو، اور ہدیہ لوٹا دیا کرو۔

۴۱:- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اِذَا اَسْلَفْتَ رَجُلًا سَلَفًا فَلَا تَقْبَلْ مِنْهُ هَدِیَّۃَ کُرَاعٍ اَوْ عَارِیَۃَ رُکُوْبِ دَآبَّۃٍ.

(ذکرہ فی الکنز برمز عبدالرزاق فی الجامع ج:۲ ص:۲۳۸)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: جب تم کسی شخص کو قرض دو تو اس کا ہدیہ گوشت کا یا عاریۃً اس کی سواری کو قبول نہ کرو۔

۴۲:- عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَۃً فَهُوَ رِبًا. (ذَکَرَهٗ فِی الْکَنْزِ بِرَمْزِ حَارِثِ بْنِ اَبِیْ اُسَامَۃَ فِیْ مُسْنَدِهٖ مِثْلَهٗ فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ وَتَکَلَّمَ عَلٰی اِسْنَادِهٖ فِیْ فَیْضِ الْقَدِیْرِ وَلٰکِنَّ شَارِحَهُ الْعَزِیْزِیَّ قَالَ فِی السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ قَالَ الشَّیْخُ حَدِیْثٌ حَسَنٌ لِغَیْرِهٖ)

ترجمہ:- حضرت علی کرّم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قرض کوئی نفع پیدا کرے وہ ربا ہے۔

۴۳:- اِذَا اَرَادَ اللهُ بِقَوْمٍ هَلَاکًا فَشٰی فِیْهِمُ الرِّبَا، فَرُوِیَ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

(کنز برمز مسند الفردوس الدیلمی ج:۲ ص:۲۱۳)

ترجمہ:- حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ان میں رِبا یعنی سودی کاروبار پھیل جاتا ہے۔

۴۴:- عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ خَطَبَ فَقَالَ: اِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّا لَا نَعْلَمُ اَبْوَابَ الرِّبَا وَلَاَنْ اَكُوْنَ اَعْلَمَهَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِصْرُ وَكُوْرُهَا وَاِنَّ مِنْهُ اَبْوَابٌ لَا تَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ[1] مِنْهَا السَّلْمُ فِي السِّنِّ وَاَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ وَهِيَ مُعَصْفَةٌ لِمَا تَطِبْ وَاَنْ يُّبَاعَ الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ نَسَآءً. (ذکرہ فی الکنز برمز عبدالرزاق فی الجامع وعن ابی عبید ج:۲ ص:۲۳۲)

ترجمہ:- حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ: تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ہم ابوابِ رِبا کی قسمیں نہیں جانتے، اور بلاشبہ اگر مجھے اقسامِ رِبا کی پوری حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ پوری سلطنتِ مصر اور متعلقاتِ مصر کی مجھے حاصل ہو (لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ربا کی حقیقت بھی مبہم ہے، کیونکہ) رِبا کی بہت سی اقسام ہیں جو کسی پر مخفی نہیں، من جملہ ان کے ایک قسم رِبا کی یہ ہے کہ جانوروں میں بیع سلم (بدھنی) کی جائے اور ایک یہ ہے کہ پھلوں کی بیع

---

(۱) اس سے واضح ہوگیا کہ فاروقِ اعظمؓ کا تردد مطلق مفہومِ ربا میں نہیں بلکہ اس خاص ربا میں ہے جو عرب میں پہلے معروف نہ تھا۔ ۱۲ منہ

اُن کے کچا ہونے کی حالت میں پکنے سے پہلے کردی جائے اور یہ کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں اُدھار پر فروخت کیا جائے۔

۴۵:- عَنِ الشَّعْبِي قَالَ: قَالَ عُمَرُ: تَرَكْنَا تِسْعَةَ اَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةَ الرِّبٰوا.

(ذكره في الكنز برمز عبدالرزاق في الجامع ج:۲ ص:۲۳۱)

ترجمہ:- حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم نے نوّے فی صدی حلال کو رِبا کے خوف سے چھوڑ رکھا ہے۔

اس روایت اور اس سے پہلے روایت سے یہ واضح ہوگیا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جو اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ آیاتِ حرمتِ سود نازل ہونے کے بعد ہمیں اتنی مہلت نہ ملی کہ رِبا کی پوری تشریحات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے معلوم کرلیتے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رِبا کا مفہوم عرب کے نزدیک مبہم یا مجمل تھا، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی ان اقسام کی تشریحات میں کچھ ابہام رہ گیا، جن کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفہومِ رِبا میں داخل فرمایا ہے، قرض پر نفع لینے کا رِبا جو قرآن میں مذکور ہے اس میں کوئی ابہام و اجمال نہیں۔

۴۶:- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهُ الْحَقُّ عَلٰى رَجُلٍ اِلٰى اَجَلٍ فَيَقُوْلُ: عَجِّلْ لِيْ وَاَنَا اَضَعُ عَنْكَ، لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَاِنَّمَا الرِّبَا: اَخِّرْ لِيْ وَاَنَا اَزِيْدُكَ، وَلَيْسَ عَجِّلْ لِيْ وَاَنَا اَضَعُ لَكَ.

(كنز برمز ابن ابي شيبة)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ان سے کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی شخص کے ذمہ کسی کا

کوئی قرض ہو اور وہ میعادِ مقررہ سے پہلے یہ کہے کہ میرا روپیہ آپ نقد دے دیں تو میں اپنے قرض کا کوئی حصہ چھوڑ دُوں گا۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ: اس میں کوئی مضائقہ نہیں، رِبا تو اس میں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ: مجھے میعادِ مقرّر سے مزید مہلت قرض میں دے دو، تو میں تمہیں اتنی رقم زیادہ دُوں گا، اس میں رِبا نہیں کہ میعاد سے پہلے دے دو تو اتنی رقم کم کر دُوں گا۔

۴۷:- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: لَا تُشَارِکْ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلَا مَجُوْسِیًّا. قِیْلَ: وَلِمَ؟ قَالَ: لِاَنَّھُمْ یُرْبُوْنَ وَالرِّبَا لَا یَحِلُّ.

(کنز برمز عبدالرزاق فی الجامع ج:۲ ص:۲۳۳)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: کسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی کے ساتھ شرکت کا کاروبار نہ کرو۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ: یہ لوگ رِبا کے معاملات کرتے ہیں اور رِبا حلال نہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سودخوروں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا بھی حرام ہے۔

ارادہ کیا تھا کہ سود کی حرمت سے متعلق ایک چہل حدیث جمع کردی جائے، جمع کرنے کے وقت چالیس سے بھی زیادہ احادیث جمع ہوگئیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قرآنِ کریم کی تفسیر ہوتے ہیں، ان ارشادات کے مجموعے پر جو شخص دیانت داری کے ساتھ نظر ڈالے گا اس کے سامنے سے وہ سب شبہات دُور ہوجائیں گے جو آج کل عام طور پر مسئلۂ سود کے

متعلق پیش کئے جاتے ہیں (اور شروع رسالہ میں ان کے جوابات بھی لکھے گئے ہیں، یہاں پر مسئلۂ سود کے پہلے حصے کو ختم کرتا ہوں، دُوسرے حصے[1]، اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو بعد میں لکھے جاویں گے)، وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ضمیمہ متعلقہ صفحہ: ۳۶

صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ابوسفیان کی سرکردگی میں تجارِ عرب کے ایک قافلے کا ذکر ہے کہ وہ ہرقل قیصرِ رُوم کے دربار میں پیش ہوا، اس قافلے کے متعلق فتح الباری میں بروایت ابنِ اسحاق، ابوسفیان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہرقل کے دربار میں انہوں نے یہ بیان دیا کہ:-

> ہم ایک تجارت پیشہ قوم ہیں، مگر عرب کی قبائلی جنگوں کی وجہ سے راستہ مامون نہیں تھا، جب حدیبیہ کی صلح کا معاہدہ ہوا تو ہم ملکِ شام کی طرف تجارت کے لئے نکلے، اور خدا کی قسم! میرے علم میں مکہ کا کوئی فرد مرد یا عورت ایسا نہیں جس نے اس تجارتی قافلے میں حصہ نہ لیا ہو۔ (فتح الباری ج:۱ ص:۲۷)

❋❋❋

(۱) الحمدللہ کہ اس رسالے کی طبعِ ثانی کے وقت رسالہ ''تقسیمِ دولت کا اسلامی نظام'' اور ''بلاسود بینکاری''، ''بیمہ زندگی''، ''پراویڈنٹ فنڈ'' اور ''اَحکام القمار'' طبع ہوچکے ہیں اور ''مسئلہ سود'' کا دُوسرا حصہ مولوی محمد تقی سلمہٗ نے مکمل کرلیا ہے جو اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ۱۲ منہ

حصۂ دوم

تجارتی سود

عقل اور شرع کی روشنی میں

مؤلفہ

مولانا محمد تقی عثمانی

اُستاذ حدیث دارالعلوم کراچی

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

کافی عرصہ ہوا جناب یعقوب شاہ صاحب آڈیٹر جنرل پاکستان نے ''سود سے متعلق چند سوالات'' کے نام سے ایک سوال نامہ مرتب کیا تھا، جس میں انہوں نے مختلف علمائے کرام کے سامنے اپنے وہ اشکالات پیش کئے تھے جو انہیں تجارتی سود کی حرمت پر پیش آئے، انہوں نے بلیغ جستجو اور تحقیق وتفتیش کرنے کے بعد اپنے وہ تمام نکات اس سوال نامے میں لکھ دیئے تھے جن کے تحت وہ یہ سمجھتے تھے کہ تجارتی سود حلال ہونا چاہئے۔

اس سوال نامے کی ایک کاپی میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کے پاس بھی آئی، یہ سوال نامہ عرصہ تک والد صاحب مدظلہم کے پاس رکھا رہا اور آپ اس پر ہجومِ مشاغل کے سبب کچھ تحریر نہ فرما سکے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جناب ماہر القادری (مدیر ''فاران'' کراچی) نے اسی مسئلے پر ایک اور کتاب والد صاحب مدظلہم کو تبصرے کے لئے دی، جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے رفیق جناب محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی کی تألیف کردہ تھی، اس کا ایک جزء جناب یعقوب شاہ صاحب کا سوال نامہ بھی تھا اور پھر جناب جعفر شاہ صاحب نے اسی کے جواب میں تجارتی سود کی فقہی حیثیت سے بحث کی تھی اور یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ تجارتی سود حرام نہیں۔

یہ کتاب بھی کافی دنوں تک والد صاحب قبلہ کے پاس رکھی رہی اور بے شمار مصروفیات کے سبب والد صاحب اس پر بھی کچھ تحریر نہ فرما سکے، بالآخر یہ دونوں چیزیں احقر کو عنایت فرمائیں اور حکم دیا کہ اس پر میں کچھ لکھوں، علمی بے مایگی کے باوجود تعمیلِ حکم کے لئے احقر نے اپنی بساط کے مطابق غور و فکر اور تحقیق کر کے کچھ لکھ دیا، اب یہ موصوف کی نظرِ ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد آپ کے سامنے ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ آج کل دُنیا میں سود کی دو صورتیں متعارف ہیں:-

۱:- مہاجنی سود، جو کسی وقتی اور شخصی ضرورت کے واسطے لئے ہوئے قرض (Usury) پر لیا جائے۔

۲:- تجارتی سود، جو کسی نفع آور (Productive) کام کے واسطے لئے ہوئے قرض پر لیا جائے۔

قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماعِ اُمت سود کی ہر قسم اور ہر شعبے کو سخت ترین حرام قرار دیتے ہیں، اور پہلی قسم کو تو سود کو حلال قرار دینے والے حضرات بھی حرام ہی کہتے ہیں۔ محترم یعقوب شاہ صاحب اور محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی کو سود کی جس صورت کے حرام ہونے میں شبہ ہے وہ سود کی دُوسری صورت یعنی تجارتی سود ہے، اس لئے ہم بھی اپنے اس مقالے میں تجارتی سود ہی سے بحث کریں گے، مہاجنی سود ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے۔

ان صفحات میں اُن دلائل کا جائزہ لینا مقصود ہے جو تجارتی سود کے جواز پر پیش کئے گئے ہیں، واللہ المستعان۔

محمد تقی عثمانی

۲۶/اگست ۱۹۶۱ء

(۱۷۸- گارڈن ایسٹ، کراچی)

فقہی دلائل

پہلے ان دلائل کو لیجئے جو تجارتی سود کو جائز قرار دینے والے حضرات فقہی زاویۂ نگاہ سے پیش کرتے ہیں، ان حضرات کے دو گروہ ہوگئے ہیں، بعض تو وہ ہیں جو اپنے استدلال کی بنیاد اس بات پر رکھتے ہیں کہ تجارتی سود عہدِ رسالت میں رائج تھا یا نہیں؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں حرام سود کے لئے "اَلرِّبٰوا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد سود کی وہ مخصوص شکل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عہدِ جاہلیت میں رائج تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کے بلاواسطہ مخاطب اہلِ عرب ہیں، ان کے سامنے جب "اَلرِّبٰا" کا ذکر کیا جائے گا تو مراد وہی "رِبا" ہوگا جو ان کی نگاہ میں جانا پہچانا ومعروف ہو، اور جب ہم اس زمانے میں سود کی مروّجہ صورتوں میں جستجو کرتے ہیں تو ہمیں کہیں تجارتی سود کی شکل نہیں دِکھائی دیتی، تجارتی سود اہلِ یورپ کی ایجاد ہے اور صنعتی انقلاب کے بعد جب صنعت وتجارت کو فروغ نصیب ہوا ہے اس وقت تجارتی سود (Commercial Interest) کا لین دین شروع ہوا ہے، لہٰذا جن آیات سے سود کی حرمت معلوم ہوتی ہے ان سے تجارتی سود کے حرام ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

ہم پہلے اسی گروہ کے اس استدلال کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہماری نظر میں ان حضرات کا یہ استدلال بہت سطحی ہے، اس لئے کہ ان

حضرات نے اپنی اس دلیل کی اس عمارت کو دو ہی ستونوں پر کھڑا کیا ہے، ایک تو یہ کہ "اَلــرِّبٰوا" سے مراد "ربا" کی وہی شکل وصورت ہے جو زمانۂ رسالت میں رائج تھی، اور دُوسرے یہ کہ تجارتی سود اس زمانے میں رائج نہیں تھا، اور ان ستونوں کو ذرا سی توجہ سے ٹھونک بجا کر دیکھئے تو فوراً معلوم ہوجائے گا کہ یہ دونوں کھوکھلے ہیں۔

اوّل تو یہ بات ہی بے وزن ہے کہ "رِبا" کی جو شکل وصورت عہدِ جاہلیت میں رائج نہ ہو وہ حرام نہیں، اس لئے کہ اسلام کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت سامنے ہوتی ہے، اسی پر اَحکام کا دار و مدار ہوتا ہے، شکل وصورت کے بدلنے سے اَحکام میں کوئی فرق نہیں آتا۔ قرآن نے "اَلْخَمْرُ" (شراب) کو حرام قرار دیا ہے، زمانۂ نبوّت میں وہ جس شکل وصورت کے ساتھ معروف تھی اور اس کے بنانے کے جو طریقے رائج تھے وہ سب بدل گئے مگر چونکہ حقیقت نہیں بدلی اس لئے حکم بھی نہیں بدلا، وہ بدستور حرام رہی۔ "اَلْفَحْشَآءُ" (بدکاری) کی صورتیں اس زمانے میں کچھ اور تھیں، آج کچھ اور ہیں، زمین و آسمان کا تفاوت ہے، مگر بدکاری، بدکاری ہی ہے، اور قرآن کے وہی اَحکام اس پر نافذ ہیں۔ سود اور قمار کا بھی یہی حال ہے، اس زمانے میں اس کی جو شکل وصورت معروف تھی، آج اس سے بہت مختلف صورتیں رائج ہیں، مگر جس طرح مشینوں اور سائنٹفک طریقوں سے کشید کی ہوئی شراب، شراب ہے، اور سینماؤں اور کلبوں کے ذریعے پیدا کی ہوئی آشنائیاں اور ان کے نتیجے میں بدکاریاں، بدکاریاں ہی ہیں تو اگر سود اور قمار کو نئی شکل دے کر بینکنگ یا لاٹری کا نام دے دیا جائے تو اس سے اس کے اَحکام کیوں بدلیں؟ یہ تو ایسا ہی ہوگیا جیسے کسی ہندوستانی ماہرِ موسیقی نے عرب کے بدوؤں کا گانا سن کر کہا تھا کہ قربان جایئے اپنے نبیؐ کے! انہوں نے ان لوگوں کا گانا سنا اس لئے حرام قرار دے دیا، یہ بے شک حرام ہی ہونا چاہئے، اگر ہمارا گانا سنتے تو کبھی حرام نہ کہتے۔

قرآن نے جو سود کی حرمت کا حکم دیا ہے اُسے احتیاجی اور صَرفی سود کے ساتھ مخصوص کرنے کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

کیا تجارتی سود عہدِ رسالت میں رائج نہ تھا؟

پھر اس دلیل کا دُوسرا مقدمہ بھی دُرست نہیں کہ ''کمرشل انٹرسٹ'' عہدِ جاہلیت میں رائج نہ تھا، یہ کہنا دراصل تاریخ اور روایات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ جاہلیتِ عرب اور پھر اسلامی دور کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ بات بالکل آشکارا ہوجاتی ہے کہ اس زمانے میں سود کا لین دین صرف احتیاجی اور صَرفی قرضوں پر نہیں تھا بلکہ تجارتی اغراض اور نفع بخش مقاصد کے لئے بھی قرض لئے اور دیئے جاتے تھے، ذرا ان روایتوں کو خوب غور سے دیکھئے:-

۱:- کانت بنو عمرو بن عامر یأخذون الرّبٰوا من بنی المغیرۃ وکانت بنو المغیرۃ یُربون لھم فی الجاھلیۃ فجاء الاسلام ولھم علیھم مالٌ کثیر.

(درمنثور بحوالہ ابنِ جریر عن ابنِ جریج ج:۱ ص:۳۶۶)

ترجمہ:- جاہلیت کے زمانے میں بنوعمرو بن عامر، بنومغیرہ سے سود لیتے تھے، اور بنومغیرہ انہیں سود دیتے تھے، چنانچہ جب اسلام آیا تو ان پر ایک بھاری مال واجب تھا۔

اس روایت[1] میں عرب کے دو قبیلوں کے درمیان سودی لین دین کا ذکر کیا گیا ہے، یہ بات ذہن میں رکھئے کہ ان قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی، ایک

---

(۱) خلیفۂ وقت نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ: ''بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی بغیر لئے نہ چھوڑنا'' (ترجمہ سیرت ابنِ ہشام ج:۱ ص:۴۲۰) اس میں مقروض ایک قبیلہ ہے جو شخصی یا وقتی غرض سے ہرگز قرض نہیں لے سکتا، یقیناً اس کی حیثیت ملکی قرضوں کی سی ہے۔۱۲ (محمد تقی عثمانی)

قبیلے[۱] کے افراد اپنا مال ایک جگہ جمع کر کے اجتماعی انداز میں اس سے تجارت کیا کرتے تھے، پھر یہ قبیلے اچھے خاصے مال دار بھی تھے، اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ کیا دو مال دار قبیلوں کے درمیان سود کا مسلسل کاروبار کسی ہنگامی ضرورت کے لئے ہو سکتا ہے؟ یقیناً یہ لین دین تجارتی بنیادوں پر تھا۔

اس دلیل پر جناب یعقوب شاہ صاحب نے دسمبر ۱۹۶۱ء کے ماہنامہ ''ثقافت'' میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قرض تجارتی نہیں زراعتی ہوتے تھے، اس پر انہوں نے ایک روایتی تائید بھی پیش کی ہے، مگر ہماری نظر میں اوّل تو ابوسفیان کے قافلۂ تجارت سے اس کی صاف تردید ہو جاتی ہے اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ قرض، خواہ تجارتی ہو یا زراعتی ہو، بہرحال نفع آور تھا اور اگر نفع بخش اغراض کے لئے زراعتی سود ناجائز ہو سکتا ہے تو تجارتی سود کی وجۂ جواز اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یورپ کی منڈیوں میں اب زیادہ ضرورت تجارتی سود ہی کی ہے، اُسے حلال کرنا پیشِ نظر ہے۔

رہا یہ کہنا کہ ''یہ طرزِ فکر آج کل کے ترقی یافتہ طریقۂ زراعت کا آئینہ دار ہے جس میں مشینوں اور مصنوعی کھاد پر زور دیا جاتا ہے، ورنہ پرانے زمانے میں کاشت کار جو قرض لیتے تھے وہ احتیاجی اور صَرفی ہوتے تھے'' تو یہ بہت بعید سی بات ہے، اس لئے کہ قدیم زمانے میں بھی زراعت پیشہ لوگ بڑے مال دار ہوتے تھے اور

---

(۱) اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے جو جنگِ بدر کا محرک بنا، ابوسفیانؓ (حالتِ کفر میں) ایک تجارتی قافلہ شام سے لے کر آ رہے تھے اور اس کے بارے میں تاریخ کہتی ہے کہ اس میں مکہ کے ہر فرد کا حصہ تھا۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''شرح المواھب اللدنیۃ'' میں لکھتے ہیں:۔

لم یبق قرشیٌ ولا قرشیۃ لہٗ مثقال الا بعث بہ فی العیر۔ (ج:۱ ص:۴۱۱)

ترجمہ:۔ کوئی قریشی مرد ہو یا عورت ایسا نہ تھا جس کے پاس ایک درہم ہو اور وہ اس نے قافلے میں نہ بھیجا ہو۔

بڑے اُونچے پیمانے پر بھی زراعت کی جاتی تھی، پھر اس روایت میں تو قبیلوں کے اجتماعی قرض کا ذکر ہے، انفرادی قرض نہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پورے کے پورے قبیلے کے قرض کو ''صَرفی اور احتیاجی'' کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟

ایک بہت واضح دلیل

۲:- درمنثور ہی میں علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے:-

من لم یترک المخابرة فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ.

(ابوداؤد و حاکم)

ترجمہ:- جو شخص ''مخابرہ'' نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لے۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مخابرہ'' کو سود ہی کی ایک صورت قرار دے کر ناجائز قرار دیا، اور جس طرح سودخور کے خلاف خدا اور رسولؐ نے اعلانِ جنگ کیا ہے، اسی طرح ''مخابرہ'' کرنے والے کے خلاف بھی کیا۔

اس روایت سے استدلال سمجھنے کے لئے ''مخابرہ'' کا مطلب سمجھ لیجئے۔

''مخابرہ'' بٹائی کی ایک صورت ہے، اور وہ یہ کہ زمین دار کسی کاشت کار کو اپنی زمین اس معاہدے پر دے کہ کاشت کار اس کو غلہ کی ایک معین مقدار دیا کرے۔ فرض کیجئے کہ آپ کی ایک زمین ہے اور آپ وہ زید کو اس معاہدے پر کاشت کے لئے دیں کہ وہ غلے کی ایک معین مقدار مثلاً پانچ من ہر فصل پر آپ کو دیتا رہے گا، خواہ اس کی پیداوار کم ہو یا زیادہ یا بالکل نہ ہو۔ یا مثلاً یہ معاہدہ طے ہو کہ جتنی پیداوار پانی کی نالیوں کے قریبی حصوں پر ہوگی وہ آپ کو دے دے اور باقی کاشت کار کا ہے، یہ معاملہ ''مخابرہ'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو ''رِبا'' کی ایک شکل قرار دے کر حرام فرمایا ہے، اب آپ ہی غور فرمائیں کہ یہ معاملہ رِبا کی کون سی صورت سے متعلق ہے؟ صَرفی اور احتیاجی سود سے یا تجارتی سود سے؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت تجارتی سود سے مشابہ ہے، جس طرح تجارتی سود میں قرض دینے والا قرض کی رقم کسی نفع آور کام میں لگاتا ہے، اسی طرح مخابرہ میں کاشت کار زمین کو نفع آور کام میں لگا دیتا ہے، صَرفی اور احتیاجی سود میں ایسا نہیں ہوتا۔

پھر جو علتِ تحریم ''مخابرہ'' کو ناجائز قرار دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کاشت کے بعد کل پیداوار پانچ من ہی ہو اور بے چارے کاشت کار کو کچھ بھی نہ ملے، یہی علت تجارتی سود میں بھی پائی جاتی ہے کہ ممکن ہے جو رقم قرض لے کر تجارت میں لگائی گئی ہے اس سے صرف اتنا ہی نفع ہو جتنا کہ اسے سود میں دے دینا ہے یا اتنا بھی نہ ہو (جس کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے)، اور یہ علت صَرفی اور احتیاجی سود میں نہیں پائی جاتی ہے، کیونکہ مقروض قرض کی رقم کسی تجارت میں نہیں لگاتا، اس کے حرام ہونے کی علت کچھ اور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مخابرہ'' کو ''رِبا'' میں داخل فرمایا اور مخابرہ، صَرفی سود کے مشابہ نہیں ہوسکتا، وہ تجارتی سود کے مشابہ ہے، اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ عہدِ رسالت میں نفع بخش کاموں میں لگانے کے لئے سودی لین دین کا رواج تھا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ سود حرام ہے۔

ایک اور دلیل

اب آپ ایک اور روایت پر غور فرمایئے:۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على الناس زمان لا يبقى أحد إلّا

اکل الرّبوٰا فمن لم یاکلہٗ اصابہ من غبارہٖ.

(درمنثور بحوالہ ابوداؤد وابنِ ماجہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو، اور اگر کسی نے نہ کھایا ہوگا تو اس کا غبار اس تک ضرور پہنچا ہوگا۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے زمانے کی خبر دی ہے جس میں سودخوری بہت عام ہوجائے گی، اگر اس سے مراد موجودہ زمانہ ہے (جیسا کہ ظاہر بھی ہے) تو آپ غور فرمایئے کہ اس زمانے میں کون سے سود کو اس قدر عموم حاصل ہوا ہے جس سے بچنا مشکل ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ اس زمانے میں تجارتی سود عام ہورہا ہے اور مہاجنی سود گھٹتا جارہا ہے۔

اور اگر حدیث میں جس زمانے کی پیش گوئی کی گئی ہے اس سے مراد کوئی آئندہ زمانہ ہے تو اوّل تو بظاہر تجارتی سود ہی بڑھے گا اور مہاجنی سود گھٹتا رہے گا، اور دُوسرے عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مہاجنی سود کے رواجِ عام سے ہر شخص تک اس کا اثر ضرور پہنچے، یہ بات بہت بعید ہے کہ دُنیا میں بسنے والوں کی اکثریت مہاجن بن جائے اور سود لے لے کر کھاتی رہے، اور پھر اگر ایسا ہو بھی تو جو لوگ سود پر قرض لیں گے کم از کم وہ تو سود کا غبار کھانے سے بھی بچے رہیں گے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔

سود کا ایسا رواجِ عام جس سے کہ ہر کس و ناکس کو اس کا کچھ نہ کچھ غبار ضرور پہنچے، تجارتی سود ہی میں ممکن ہے، جیسا کہ بینکنگ کے موجودہ نظام میں ہورہا ہے۔ تقریباً آدھی دُنیا کا روپیہ بینکوں میں جمع رہتا ہے جس پر انہیں سود دیا جاتا ہے، بڑے

سرمایہ دار ان بینکوں سے سود کا لین دین کرتے ہیں اور چھوٹے تاجر بینک میں روپیہ جمع رکھتے ہیں، پھر بینکنگ کچھ اتنے بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے کہ ہر ایک بینک میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ نوکری کرتے ہیں، اس طرح کسی نہ کسی درجے میں سود کی نجاست میں ملوّث ہوجاتے ہیں، اور جو لوگ براہِ راست ملوّث نہیں ہوتے تو وہ مال جو بذریعہ سود حاصل کیا جاتا ہے جب اس کی گردش ملک میں ہوتی ہے تو بالواسطہ ہی سہی مگر سود کے پیسے سے ہر شخص ملوّث ہوجاتا ہے، جس کو حدیث میں ''سود کا غبار'' کہا گیا ہے، اور جس سے بچنے کا دعویٰ کوئی بڑے سے بڑا متقی بھی نہیں کرسکتا۔

اس لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد تجارتی سود ہی کے بارے میں ہوسکتا ہے۔

حضرت زبیر بن عوامؓ

اس کے علاوہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا جو طرزِ عمل اس سلسلے میں روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ بڑی حد تک اس طریقے سے مشابہ ہے جو آج بینکنگ کے نظام میں رائج ہے۔

حضرت زبیرؓ اپنی امانت و دیانت کے اعتبار سے مشہور تھے، اس لئے بڑے بڑے لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں جمع کرایا کرتے تھے اور اپنی مختلف ضروریات کی بنا پر وہ اپنی پوری یا تھوڑی رقمیں واپس بھی لیتے رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے بارے میں بخاری کی کتابُ الجهاد، باب بركة الغازی فی مالهٖ، اور طبقاتِ ابنِ سعدؒ میں بہ ضمن طبقات البدريين من المهاجرين بہ تصریح موجود ہے کہ یہ لوگوں کی رقموں کو بطور امانت رکھنا منظور نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہہ دیا کرتے تھے:-

لَا وَلٰكِنْ هُوَ سَلَفٌ.

یہ امانت نہیں قرض ہے۔

اس کا مقصد کیا تھا؟ شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجرؒ کی زبانی سنئے:-

وکان غرضهُ بذٰلک انهُ کان یخشٰی علی المال أن یضیع فیظنّ به التقصیر فی حفظه فرای أن یجعلهُ مضمونًا فیکون أوثق لصاحب المال وأبقی لمروته، وزاد ابن بطال لیطیب لهٗ ربح ذٰلک المال.

(فتح الباری ج:۶ ص:۱۷۵)

ترجمہ:- اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں مال ضائع نہ ہوجائے اور یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی ہوگی، اس لئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ اسے (قرض بنا کر) بہرصورت واجب الادا قرار دے لیں تاکہ مال والے کو بھروسا زیادہ رہے اور ان کی ساکھ بھی قائم رہے۔ ابنِ بطالؒ نے یہ بھی فرمایا کہ: وہ ایسا اس لئے بھی کرتے تھے تاکہ اس مال سے تجارت کرنا اور فائدہ کمانا ان کے لئے جائز ہوجائے۔

اس طریقے سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کتنی بڑی رقمیں ہوجاتی تھیں؟ اس کا اندازہ طبقاتِ ابنِ سعدؒ کی اس روایت سے کیجئے:-

قال عبدالله بن الزبیر: فَحَسَبْتُ مَا علیه من الدیون فوجدتهٗ ألفی ألفی ومائتی ألف. (طبقات ج:۳ ص:۱۰۹)

ترجمہ:- حضرت زبیرؓ کے بیٹے عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے ان کے ذمے واجب الادا قرضوں کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ نکلے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے متموّل صحابی پر یہ بائیس لاکھ روپے کا قرض

ظاہر ہے کہ کسی صَرفی اور وقتی ضرورت کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ اما نتوں کا سرمایہ تھا اور یہ تمام سرمایہ کاروبار ہی میں مشغول تھا، کیونکہ حضرت زبیرؓ نے وفات سے قبل اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہماری تمام املاک کوفروخت کر کے یہ رقم ادا کی جائے، اس کی تصریح بھی طبقاتِ ابنِ سعدؒ ہی میں موجود ہے: "یا بُنیَّ! بع مالنا واقض دَینی" (بیٹے! ہمارا مال فروخت کر کے قرضہ ادا کرنا)۔ (بحوالہ بالا)

پانچویں شہادت

امام بغویؒ نے بروایتِ عطاءؒ وعکرمہؒ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی ایک سودی رقم کسی تاجر کے ذمے واجب تھی، اس کا مطالبہ کیا گیا تو حرمتِ رِبا کی آیات کے تحت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے روک دیا اور سود کی رقم چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے یہ رقم ایک تاجر کو قرض دی تھی۔

ہند بنت عتبہ کا واقعہ

۶:- علامہ طبریؒ نے سنہ ۲۳ھ کے واقعات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:-

ان هنداً بنت عتبةَ قامت الٰى عمر بن الخطاب فاستقرضتهُ من بيت المال أربعة الافٍ تتجر فيها وتضمنها فأقرضها فخرجت الٰى بلاد كلب فاشترت وباعت .... الخ.

ترجمہ:- ہند بنت عتبہ، حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور بیت المال سے چار ہزار قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کرے اور ان کی ضامن ہو، حضرت عمرؓ نے دے دیئے، چنانچہ وہ بلادِ کلب میں گئی

اور مال خرید کر فروخت کیا۔

اس میں خاص تجارت کے نام سے روپیہ قرض لینے اور دینے کا ذکر ہے، کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں تجارت کے لئے قرض لینے دینے کا رواج نہ تھا؟ ہاں! یہ صحیح ہے کہ اس قرض پر سود لینے دینے کا رواج اَحکامِ قرآنی نازل ہونے کے بعد نہ رہا تھا، جیسا کہ اس واقعے میں چار ہزار قرض بلاسود دینا مذکور ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ کا واقعہ

مؤطا امام مالکؒ میں ایک لمبی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہما ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے، لوٹتے وقت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے، انہوں نے فرمایا کہ: اگر میرے لئے آپ کو کوئی نفع پہنچانا ممکن ہوا تو ضرور پہنچاؤں گا، پھر فرمایا کہ: میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے، میں وہ امیرالمؤمنین کو بھیجنا چاہتا ہوں، وہ میں آپ کو قرض دیتا ہوں، آپ اس سے مالِ تجارت لے کر جائیں اور مدینہ جاکر فروخت کریں اور اصل رقم امیرالمؤمنین کو پہنچا کر منافع خود رکھ لیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(مؤطا مالکؒ ص:۴۸۵ کتاب القراض)

اس واقعے میں بھی تجارت ہی کے لئے قرض لیا گیا ہے۔

عہدِ سلف کے یہ چند واقعات سرسری نظر میں سامنے آئے، اگر باقاعدہ جستجو کی جائے تو اور بھی بہت مل سکتے ہیں، لیکن ان سب کو جمع کر کے مضمون کو طول دینا بے حاصل ہی ہوگا، مذکورہ سات پختہ شہادتیں ایک منصف مزاج انسان کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کردیتی ہیں کہ تجارتی قرضے اس نئے دورِ تہذیب ہی کی ایجاد نہیں بلکہ ان کا رواج اہلِ عرب میں قدیم زمانے سے تھا۔ ہم نے جو روایات اُوپر پیش کی ہیں ان سے قدرِ مشترک کے طور پر یہ بات بوضاحت سامنے آجاتی ہے کہ تجارتی قرض اور

ان پر سود کا لین دین اہلِ عرب کے معاشرے میں کوئی نامانوس اور اچنبھے کی بات نہ تھی بلکہ اس کا بھی اسی طرح عام رواج تھا جس طرح حاجت مندانہ اور صَرفی قرضوں کا۔

دُوسرا گروہ

تجارتی سود کو جائز کہنے والوں کا دُوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے استدلال کی بنیاد سود کے عہدِ جاہلیت میں رائج ہونے یا نہ ہونے پر نہیں رکھتا، بلکہ وہ اس کے جواز پر کچھ اور ایجابی دلائل پیش کرتا ہے، اس گروہ نے کئی دلائل پیش کئے ہیں، ہم ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں۔

کیا تجارتی سود میں ظلم نہیں؟

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس بات کا نفسِ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کہ تجارتی سود کا رواج عہدِ رسالت میں تھا یا نہیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ سود کی رُوح تجارتی سود میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ان کا یہ کہنا کہ سود کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ اس میں قرض لینے والے کا نقصان ہوتا ہے، اس بے چارے کو محض اپنی تنگ دستی کے ''جرم'' میں ایک چیز کی قیمت اس کی اصل قیمت سے زائد دینی پڑتی ہے، اور دُوسری طرف قرض دینے والا اپنے فاضل سرمایہ سے بغیر کسی محنت کے مزید مال وصول کرتا ہے جو سراسر ظلم ہے، لیکن یہ علت تجارتی سود میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں قرض دار اور قرض خواہ دونوں کا فائدہ ہے، قرض دار قرض کی رقم کو تجارت میں لگا کر نفع حاصل کر لیتا ہے اور قرض خواہ قرض کی رقم پر سود لے کر، اس لئے اس میں کسی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہیں ہوتا۔

یہ دلیل آج کل لوگوں کو بہت اپیل کرتی ہے اور بظاہر بڑی خوشنما ہے لیکن آپ تھوڑا سا غور و فکر کیجئے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی، اس دلیل کا سارا دار و مدار اس بات پر ہے کہ تجارتی سود میں کسی کا نقصان

نہیں، کیونکہ حرمتِ سود کی حکمت صرف وہ نہیں جو حامیانِ تجارتی سود نے پیش کی ہے، اس کے بہت سے اسباب ہیں، من جملہ ان کے ایک حکمت وہ بھی ہے کہ کسی فریق کا نقصان اس میں ضرور ہوتا ہے اور نقصان والا معاملہ ناجائز ہوتا ہے، مگر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ان حضرات نے تو بات یہیں تک ختم کردی ہے کہ ایک فریق کا نقصان اور دُوسرے کا فائدہ ہو تو معاملہ ناجائز ہوتا ہے اور دونوں کا فائدہ ہو تو جائز، حالانکہ بات یہیں تک محدود نہیں بلکہ اگر دونوں کا فائدہ ہوسکتا ہو مگر ایک کا فائدہ یقینی ہو اور دُوسرے کا یقینی نہ ہو، مشتبہ ہو، تب بھی معاملہ ناجائز ہوتا ہے، جیسا کہ ''مخابرہ'' کی صورت میں آپ معلوم کرچکے۔

جناب یعقوب شاہ صاحب دسمبر ۱۹۶۱ء کے ماہنامہ ''ثقافت'' میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

کیا قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم موجود ہے جو اس منافع کی رقم کو مشتبہ رکھ لینے کی جگہ معین کرلینے کو ممنوع قرار دیتا ہے؟

ہم اس کے جواب میں ان سے بصد ادب یہ پوچھیں گے کہ ''مخابرہ'' کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا اور رسولؐ کے خلاف اعلانِ جنگ کیوں قرار دیا ہے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ اس میں ایک فریق کا معین نفع ہے اور ایک کا مشتبہ۔

اب دیکھ لیجئے کہ یہ علت تجارتی سود میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ظاہر ہے کہ قرض لینے والا جو مال تجارت میں لگاتا ہے اس میں یہ کوئی ضروری نہیں کہ اُسے نفع ہی ہو یا نفع ہو تو اتنی مقدار میں کہ وہ سود ادا کرنے کے بعد بھی بچ رہے، ہوسکتا ہے کہ اسے تجارت میں خسارہ آجائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفع اتنا کم ہو کہ سود ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے، یا نفع تو زیادہ ہو مگر اس کے حاصل کرنے میں اتنی مدّت صَرف ہوجائے کہ اس کی وجہ سے سود کی رقم اصل مال سے بھی

بڑھ گئی ہو۔ فرض کیجئے کہ آپ نے کسی شخص سے ایک ہزار روپے، تین روپے فیصد سالانہ کی شرحِ سود سے قرض لیا اور کسی تجارت میں لگا دیا، اب اس میں مندرجہ ذیل عقلی احتمالات ہیں:-

۱:- آپ کو ایک ہی سال میں پانچ سو روپے کا فائدہ ہوگیا تو آپ فائدے میں رہے کہ تیس روپے قرض خواہ کو دے کر باقی سب آپ نے لے لیا۔

۲:- آپ کو ایک سال میں کل ساٹھ روپے کا نفع ہوا، اس میں سے تیس آپ قرض خواہ کو دیں گے اور تیس اپنے پاس رکھیں گے۔

۳:- آپ کو پانچ سال میں دو سو روپے کا فائدہ ہوا، اس میں سے ڈیڑھ سو قرض خواہ کو دے دیں گے اور پچاس آپ کے پاس رہیں گے۔

۴:- آپ کو پانچ سال میں ڈیڑھ سو ہی کا فائدہ ہوا تو آپ سارا نفع سود ہی میں دے دیں گے، آپ کے پاس کچھ نہ بچے گا۔

۵:- آپ کو ایک سال میں کل تیس روپے کا فائدہ ہوا تب بھی آپ وہ سارا سود میں دے دیں گے، آپ کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہے گا۔

۶:- آپ کو ایک سال ہی میں کل دس روپیہ کا فائدہ ہوا تو آپ وہ تو ساہوکار کو دیں گے ہی، آپ کو اپنی جیب سے بیس روپے مزید دینے پڑیں گے۔

۷:- آپ نے ایک سال تک تجارت کی مگر ایک پیسے کا نفع بھی نہ ہو تو محنت بھی بے کار گئی اور تیس روپے اپنی جیب سے دینے پڑے۔

۸:- اور اگر آپ نے دس سال تک تجارت کی اور پھر بھی کوئی نفع نہ ہوا تو آپ کو تین سو روپے بھگتنے پڑیں گے۔

۹:- آپ نے ایک سال تک تجارت کی مگر اس میں سو روپے کا نقصان ہوگیا تو آپ کو یہ نقصان بھی بھگتنا ہوگا اور تیس روپے علیحدہ دینے ہوں گے۔

۱۰:- آپ نے دس سال تک تجارت کی اور اس میں سو روپے کا نقصان

ہو گیا تو نقصان بھی آپ کی گردن پر رہا اور تین سو روپے سود کے اس کے علاوہ ہیں۔

ان دس صورتوں میں سے صرف پہلی اور دُوسری صورت تو ایسی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے، کسی کا نقصان نہیں، باقی تمام صورتوں میں آپ کا نقصان ہے کہ کہیں آپ کو ساہوکار سے کم نفع ہوا، کہیں کچھ بھی نہ ہوا اور کہیں اُلٹا نقصان ہوا، کہیں اس وجہ سے کہ تجارت بار آور نہ ہوئی، کہیں اس وجہ سے کہ نفع تو ہوا مگر سود میں چلا گیا، لیکن ان تمام صورتوں میں ساہوکار کا فائدہ کہیں نہیں گیا، اُسے ہر جگہ نفع ملتا رہا ہے۔

اب آپ بنظرِ انصاف غور فرمایئے کہ یہ بھی کوئی معقول معاملہ ہے جس میں دو ایک ہی جیسے افراد میں سے ایک کا کبھی نقصان ہوتا ہے کبھی نفع، اور دُوسرا نفع ہی بٹورتا رہتا ہے؟ اس معاملے کو کون سی شریعت اور کون سی عقل گوارا کرسکتی ہے؟

اس پر جناب یعقوب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

> تجارت کے لئے روپیہ سود پر اس واسطے لیا جاتا ہے کہ قرض لینے والے کو شرحِ سود سے کئی گنا زائد نفع کی اُمید ہوتی ہے اور اکثر یہ اُمید بَر آتی ہے، ورنہ پیداواری سود کو اس قدر فروغ حاصل نہ ہوتا۔ ایسے قرض دینے والے کو ایک چھوٹی رقم مقررہ وقت پر ملتی رہتی ہے اور اس کے برخلاف قرض لینے والا اکثر اس رقم سے کئی گنا فائدہ کمالیتا ہے اور کبھی اس کو نقصان بھی ہوتا ہے مگر اس خطرے کو قبول کرنا تجارت کا عام مسلک ہے، اور یہ ایسی چیز نہیں اور اس سے ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں کہ فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی سزا کی مستحق ہوں۔ (ماہنامہ ''ثقافت'' دسمبر ۱۹۶۱ء)

اس کے جواب میں ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ نفع کی اُمید ہونا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا کہ وہ معاملہ جائز ہے، اس لئے کہ نفع کی اُمید تو کاشت کار کو ''مخابرہ'' کی صورت میں بھی ہوتی ہے اسی لئے تو وہ یہ معاملہ کرلیتا ہے،

مگر اس کے باوجود بصراحت حدیث ''مخابرہ'' ناجائز ہے اور اس کے بارے میں ''فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ .... الخ'' کی وعید آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں پڑھ چکے ہیں کہ:-

من لم یترک المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ.

(ابوداؤد و حاکم)

ترجمہ:- جو مخابرہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لے۔

سرمایہ اور محنت کے اشتراک کا اسلامی تصور

اسلامی شریعت نے سرمایہ اور محنت کے اشتراک کی ایک سیدھی سادی، آسان اور مفید شکل ''مضاربت'' تجویز کردی ہے کہ ایک کا سرمایہ ہو، دوسرے کی محنت ہو اور نفع میں دونوں کی شرکت یقینی طور پر ایک ہی نوعیت کی ہو، نہ اس سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے، نہ کسی پر ظلم ہے، دونوں ہر حیثیت سے برابر ہیں، نفع ہے تو دونوں کا برابر ہے، نقصان ہے تو دونوں کو ہے، مگر نہ جانے اسلامی شریعت سے خدا واسطے کا بیر ہے یا سرمایہ دارانہ نظام نے عقلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ لوگ اس سیدھی سادی صورتِ اشتراک کو چھوڑ کر اس پر پیچ اور مضر صورت کو اختیار کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

جناب محمد جعفر شاہ صاحب نے ''کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت'' میں مضاربت کی شکل پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص غلے کی تجارت کرتا ہے اور اس کے پاس خاصی رقم بھی موجود ہے، ایک دوسرا شخص اس سے یہ کہتا ہے کہ میں ''بس سروس'' کا تجربہ رکھتا ہوں مگر میرے پاس سرمایہ نہیں، اگر تم رقم لگاؤ تو اس میں خاصا منافع ہوسکتا ہے جس میں ہم دونوں شریک ہوں گے، اب ظاہر

ہے کہ غلے کی تجارت کرنے والا اپنی تجارت میں روپیہ لگا سکتا ہے لیکن وہ ساتھ ہی اس شخص کا نفع بھی چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ میں موٹر سروس کا کام بھی شرکت میں کروں لیکن اسے یہ بھی خیال ہے کہ میں خود موٹر کے کام سے نابلد ہوں اور یہ میری ناواقفیت سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہ مضاربت میں میرے اصل حصے میں بے بازی سے کام لے اور مجھے پورا حصہ نہ مل سکے، نیز میں اس کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کے لئے وقت نہیں نکال سکتا، اس صورت میں اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسے سود پر قرض دے دے اور ایک قلیل مگر معین نفع پر قناعت کرے۔

مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان حضرات نے بہت تلاش و جستجو کے بعد ایک لمبی چوڑی شکل نکالی مگر اس میں مضاربت کے طریقے کو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ کوئی بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتا کہ صرف فریب میں آجانے کے موہوم خطرے سے اپنے زیادہ نفع کو چھوڑ دے اور کم پر راضی ہو جائے، ظاہر ہے کہ اگر بالفرض اس کا شریک دھوکا دے کر اس حصے میں سے مال کم بھی کرلے تو اس کے لئے سود کی قلیل شرح لینا اور حصہ کم لینا دونوں برابر ہیں، پھر اسے خواہ مخواہ ہاتھ گھما کر ناک پکڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر اسے اپنے شریک کی دریافت کے بارے میں اس قدر بدگمانی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ دھوکا دے کر تجارت میں نقصان ظاہر کرے گا حالانکہ درحقیقت اس میں نفع ہوگا تو پھر ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کر کے اس کی ہمت افزائی کرنے کا اسے کس ڈاکٹر نے مشورہ دیا ہے؟

ہاں! البتہ یہ خیال اس شخص کے دِل میں ضرور پیدا ہوگا جو نفع کی صورت میں تو مسلسل شریک رہنا چاہتا ہو لیکن ساتھ ہی نقصان کی زد سے دامن بچا لینے کا بھی خواہش مند ہو، اس کے دِل میں یہ کھوٹ ہو کہ میرے لئے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور نقصان ہو تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے بلکہ میرا نفع کہیں نہ جائے۔

اسلام کا انصاف پسند مزاج اسے اس عیاری اور خود غرضی کی ہرگز اجازت

نہیں دے گا، اس تشریح سے حامیانِ سود کا ایک وہ استدلال بھی ختم ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے تجارتی سود کو مضاربت کے مشابہ قرار دے کر جائز کہا ہے۔ گزشتہ صفحات کی بحث سے تجارتی سود اور مضاربت کا عظیم فرق آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ مضاربت میں دونوں شریک نفع اور نقصان دونوں میں شریک رہتے ہیں، اور تجارتی سود ایک کا نفع معین رکھتا ہے اور دُوسرے کا مشتبہ اور موہوم، اس لئے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تجارتی سود رضامندی کا سودا ہے!

۲:- اس گروہ کی دُوسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اکل بالباطل سے منع کیا ہے: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ .... الخ" لہٰذا تجارت کے جن جن طریقوں میں اکل بالباطل ہے وہ حرام ہیں اور ظاہر ہے کہ جہاں اکلِ باطل ہوگا وہاں ایک فریق کی عدم رضا ضرور ہوگی، اکلِ باطل میں کھانے والا تو راضی ہوتا ہے لیکن جسے کھایا جاتا ہے وہ کبھی راضی نہیں ہوتا، وہ اسے صرف اپنی مجبوری سے برداشت کرتا ہے، اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی ایسی تجارت ہو جس میں دونوں فریقوں کی رضامندی اور خوشدلی ہو تو وہ یقیناً اکل بالباطل نہ ہوگا۔ اب اسی عینک سے کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سود) کو دیکھئے کہ اس میں قرض لینے والا مجبور اور مظلوم نہیں ہوتا اور اسی طرح وہ دائن کے نفع سے ناخوش بھی نہیں ہوتا، لہٰذا جو رِبا حرام ہے وہ وہی ہے جس میں ایک فریق کا خودغرضانہ نفع اور دُوسرے کا نقصان ہے، کمرشل انٹرسٹ پر جو تجارت کی جاتی ہے اس میں دونوں کی باہمی رضامندی اور خوش دِلی ہوتی ہے۔ ("کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" از جعفر شاہ صاحب)

ہم نے ان حضرات کا یہ استدلال من وعن نقل کر دیا ہے، آپ خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ کیا آج تک کسی عقلمند نے فریقین کی رضامندی کو ایک حرام چیز کے حلال

ہونے کے لئے سبب قرار دیا ہے؟ کیا فریقین رضامند ہوں تو زنا کو جائز کہا جاسکتا ہے؟ اور دُور جانے کی بھی ضرورت نہیں خود تجارت ہی میں بہت سی انواع آپ کو ایسی ملیں گی جن میں دونوں فریق رضامند اور خوش ہوتے ہیں مگر وہ ناجائز ہیں، کتبِ حدیث "أبواب البیوع الباطلة" کھول کر دیکھئے، محاقلہ، تلقی الجلب، بیع کی ان تمام صورتوں میں فریقین کی رضامندی اور خوش دِلی ہوتی ہے مگر ہر ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔

دراصل اسلام کی حکیمانہ نظر سطحی چیزوں پر نہیں ہوتی وہ عام قوم کی خوش حالی اور اس کا فائدہ چاہتا ہے، اسی لئے اس نے فریقین کی رضامندی اور خوش دِلی کو جائز یا حرام ہونے کا معیار نہیں ٹھہرایا، اس لئے کہ ان کی رضامندی اپنے حق میں تو مفید ثابت ہوسکتی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ وہ عام قوم کے لئے زہر ہو، مذکورہ بیوع کی بعض صورتوں میں کسی کا نقصان نہیں دونوں کا فائدہ ہے اور دونوں رضامند بھی ہیں، مگر اس کی وجہ سے پوری قوم افلاس، اقتصادی بدحالی اور اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتی ہے اس لئے اس نے انہیں ممنوع قرار دیا ہے، وہ ہر معاملے کا اسی وسیع نظر سے تجزیہ کرتا ہے اور جہاں خرابی دیکھتا ہے وہاں بند باندھ دیتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔

اس حدیث کے ذریعہ اسلام نے آڑھتی (Middle Man) کا تمام کاروبار ممنوع قرار دیا ہے، جو لوگ ہر معاملے کو سطحی انداز میں اور تنگ نظری سے دیکھنے کے عادی ہیں وہ اس حکم کی حکمت سمجھنے سے ضرور محروم رہیں گے، ان کو یہ حکم ظلم نظر آئے گا، اس لئے کہ ان کے نزدیک معاملات کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار رضامندی اور خوش دِلی پر ہے، وہ سوچیں گے کہ ایک دیہاتی گاؤں سے مال لے کر

آتا ہے اور وہ ایک شہری کو اپنا مال بیچنے کے لئے وکیل بنا دیتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ دیہاتی کا بھی فائدہ ہے کہ اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی اور اس کا مال بھی اچھے داموں بک جائے گا، اور آڑھتی کا بھی نفع ہے کہ اسے مال بیچنے پر کمیشن ملے گا، ان کا ذہن شخصی مفاد اور خوش دِلی کی اس بھول بھلیاں میں اُلجھ کر رہ جائے گا۔

لیکن جو شخص اسلامی شریعت کے مزاج سے واقف ہے وہ اس حکم کی تہ میں پوری قوم کا اجتماعی مفاد دیکھ کر بے ساختہ پکار اُٹھے گا: "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ اسلام نے یہ حکم اس لئے دیا ہے کہ اس سے پوری قوم کا فائدہ ہو، اگر دیہاتی نے آڑھتی کو اپنا وکیل بنایا تو وہ مال کو بازار کا رنگ دیکھ کر نکالے گا، جس وقت نرخ سستے ہوں گے اس وقت مال کو چھپا کر رکھ دے گا اور جب بازار میں مال ختم ہوجائے گا اس وقت اسے نکال کر من مانے بھاؤ پر فروخت کرے گا جس سے پوری قوم گرانی کا شکار ہوگی اور وہ ان کا مال سمیٹتا رہے گا، یہاں تک کہ قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جائے گی اور اس سرمایہ دار کی جیب بھرتی چلی جائے گی، اس کے برعکس اگر دیہاتی خود اپنا مال فروخت کرے گا تو اتنا بے وقوف تو وہ بھی نہیں ہے کہ اپنا نقصان کرکے بیچے، ظاہر ہے کہ نفع ہی سے فروخت کرے گا، لیکن بہرحال آڑھتی کی بہ نسبت اس کے لگائے ہوئے دام بہت سستے ہوں گے، اور وہ روک کر بھی نہیں بیچے گا، جس کی وجہ سے پورا بازار سستا ہوجائے گا اور عام قوم خوش حالی سے زندگی بسر کرے گی۔

بہرکیف! صرف فریقین کی رضامندی اور خوش دِلی معاملے کی حلت وحرمت پر کوئی اثر مرتب نہیں کرتی، اس لئے کہ بعض اوقات دونوں کی رضامندی پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی حال تجارتی سود کا ہے کہ اگرچہ اس میں دونوں فریق راضی اور خوش ہوتے ہیں مگر وہ جائز نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ پوری قوم کو تباہی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

ہم نے جو بات اُوپر کہی ہے وہ خود اس آیت سے مأخوذ ہے جو جعفر شاہ صاحب نے پیش کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يٰٓـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.

ترجمہ:- اے ایمان والو! آپس میں ایک دُوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، الّا یہ کہ وہ تجارت ہو اور آپس کی رضامندی سے ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے معاملے کے جائز ہونے کے لئے دو شرطیں ذکر فرمائی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ معاملۂ تجارت ہو، دُوسرے یہ کہ آپس کی رضامندی سے ہو، نہ صرف آپس کی رضامندی معاملے کی حلت کے لئے کافی ہے، اور نہ صرف تجارت ہونا، دونوں باتیں پائی جائیں گی تو معاملہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

تجارتی سود میں فریقین کی رضامندی تو ہے مگر چونکہ وہ اجتماعی طور پر مضر ہے، اس لئے اسلام اسے تجارت نہیں کہتا، ''رِبا'' کا نام دیتا ہے لہٰذا وہ جائز نہیں۔

کیا روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے؟

تجارتی سود کو جائز کہنے والے حضرات اپنی اس دلیل کی تائید میں کچھ روایات بھی پیش کرتے ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سود میں اگر خوش دِلی ہو، جابرانہ دباؤ نہ ہو تو وہ جائز ہوسکتا ہے، مثلاً احادیثِ ذیل:-

۱:- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ''عصیفیر'' نامی اُونٹ بیس (چھوٹے) اُونٹوں کے عوض فروخت کیا ہے اور وہ بھی اُدھار۔ (رواہ مالکؒ)

۲:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ دراہم قرض لئے پھر ان سے اچھے واپس کئے تو دائن نے لینے سے انکار کیا کہ یہ میرے دیئے ہوئے دراہم سے

اچھے ہیں، حضرت ابنِ عمرؓ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے، مگر میں خوش دِلی سے دے رہا ہوں۔ (رواہ مالکؒ)

۳:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے قرض لے کر زیادہ واپس کیا۔

۴:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیارکم أحاسنکم قضاءً" بہتر طریقے سے قرض ادا کرنے والے تم میں زیادہ بہتر ہیں۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرۃؓ)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان روایتوں سے مذکورہ دعوے پر دلیل نہیں لی جاسکتی۔

۱:۔ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا تعلق ہے تو اس پر کسی معاملے کی حلت وحرمت کی بنیاد اس لئے نہیں رکھی جاسکتی کہ اس کے برخلاف ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فتویٰ موجود ہے:۔

عن سمرة رضی اللہ عنہ انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم
نهٰی عن بیع الحَیَوَان بِالْحَیَوَان نسیئة.

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، دارمی)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے اُدھار بیچنے سے منع فرمایا۔

یہ ایک صحیح حدیث ہے اور حضرت جابر، ابنِ عباس، ابنِ عمر رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مضمون کی احادیث منقول ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ بالکل واضح اور صاف ہے، اسے چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک عملی واقعے کو جس کا پورا پسِ منظر بھی معلوم نہیں، فتویٰ کی اساس بنالینا اُصولِ حدیث وفقہ کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اگر اس عملِ صحابی کو حدیثِ مرفوع کے برابر بھی مان لیا جائے تو جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو متفقہ اُصول ہے کہ اسی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے جو حرام قرار دے رہی ہو۔

۲:- رہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل تو اس سے کسی درجے میں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ انہوں نے خوش دِلی کی وجہ سے سود کو جائز قرار دیا ہے، وہاں تو معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے جو دراہم قرض لئے تھے وہ کیفیت کے اعتبار سے ویسے نہ تھے جیسے واپس کئے گئے، گویا زیادتی محض کیفیت میں تھی، ایسا نہ تھا کہ دس لئے ہوں اور گیارہ واپس کئے ہوں، "خیر" کا لفظ اس بات پر شاہد ہے، اس کے علاوہ چونکہ قرض لیتے وقت دونوں کے درمیان زیادتی کا کوئی معاہدہ نہیں تھا اور اس وقت دونوں کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی اس لئے بعد میں زیادہ ادا کرنے کی حیثیت ایسی ہوگئی جیسے کوئی کسی کے احسان کا بدلہ کرنے کے لئے اسے کچھ تحفہ دے دے۔

۳:- اور یہی صورت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہے کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرض دیتے وقت کوئی زیادتی کا معاہدہ نہیں کیا تھا۔ حدیث کے الفاظ نے یہ بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاقِ کریمانہ کی بناء پر ادائیگی کے وقت ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دیا، زیادتی کیسی اور کتنی تھی؟ حدیث اس کے بیان سے خاموش ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ زیادتی بھی صرف کیفیت کی زیادتی ہو، اور اگر تعداد کی زیادتی بھی تسلیم کرلی جائے تو چونکہ وہ کسی شرط اور معاہدے کے ماتحت نہ تھی، اس لئے وہ بھی "حسنِ قضا" اور احسان کی مکافات ہی کے درجے میں ہوسکتی ہے، جس کی طرف خود احادیث میں ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ماتحت یہی لکھا ہے کہ:-

لیس هو من قرض جرّ منفعة فانهٗ منهيّ عنه لأنّ المنهيّ عنه ما كان مشروطًا في العقد.

(نووی شرح مسلم ج:۲ ص:۳۰)

ترجمہ:- یہ صورت اس قرض میں داخل نہیں جس کے ذریعہ کچھ

نفع حاصل کیا گیا ہو کیونکہ وہ ناجائز ہے اور ناجائز صورت وہی ہے کہ زیادتی کا عقد کرتے وقت معاہدہ کیا گیا ہو۔

اس لئے اگر کسی شخص نے کسی پر احسان کیا کہ وقت پر قرض دے دیا اور اس نے قرض ادا کرنے کے وقت اس کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے کوئی رقم یا چیز اپنی خوشی سے بغیر کسی سابقہ معاہدے کے دے دی تو یہ آج بھی جائز ہے، ''سود حرام'' سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اگرچہ حضرت امام مالکؒ اس وقت بھی عددی زیادتی کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حضرت جابرؓ کے واقعے کو کیفیت کی زیادتی پر محمول فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس معاملے کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس میں ربا کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال شرعی سے ان کا قرض دیا اور قرض سے زیادہ بھی کچھ عطا فرمایا۔ یہ ظاہر ہے کہ بیت المال میں سب مسلمانوں کا حق ہے خصوصاً علمائے اُمت جو دین کی خدمت میں مشغول ہوں، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیت المال میں حق پہلے سے متعین اور معلوم تھا جس میں امام و امیر کو اختیار ہوتا ہے وہ زیادتی اس حق میں سے دی گئی نہ کہ قرض کے معاوضے میں۔

۴:- چوتھی روایت کا مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں ''حسنِ اداء'' کی ترغیب ہے، جس کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ اداء کرو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ''اچھی طرح ادا کرو، ٹال مٹول نہ کرو، قرض خواہ کو بار بار آنے جانے کی تکلیف مت دو اور چیز بھی اچھی دو، ایسا نہ ہو کہ اچھی چیز لو اور خراب واپس کرو۔''

تجارتی سود اور اِجارہ

تجارتی سود کے وکلاء تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کمرشل انٹرسٹ کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص اپنا رکشہ، تانگہ یا ٹیکسی لوگوں کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم مجھے اتنی رقم روزانہ دے دیا کرو، یہ معاملہ باتفاق جائز ہے اور یہی تجارتی سود کی

صورت ہے کہ اس میں سرمایہ دار اسی شرط پر اپنا سرمایہ دیتا ہے کہ مجھے ایک معینہ رقم سال بہ سال ملتی رہے۔

لیکن آپ خود ہی ذرا غور سے دیکھئے کہ دونوں میں کتنا فرق ہے؟ رکشہ، تانگہ اور ٹیکسی کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے مگر نقد کو کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ کرایہ اور اِجارہ کا مفہوم ہی یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع حاصل کئے جائیں، آپ کسی سے ٹیکسی کرایہ پر لیتے ہیں تو ٹیکسی جوں کی توں باقی رہتی ہے، صرف اس کے منافع آپ حاصل کر لیتے ہیں، اور نقد میں یہ بات نہیں، کیونکہ اس کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اسے خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لئے اس میں اِجارہ کی کوئی شکل نہیں بنتی۔

اور اس سے بھی تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیجئے اور غور کیجئے کہ اگر اِجارہ پر تجارتی سود کو قیاس کرنا صحیح ہے تو اس معاملے میں مہاجنی اور تجارتی دونوں سود برابر ہیں، جس طرح تجارتی سود اِجارہ کے مشابہ ہے اسی طرح مہاجنی سود بھی ہے، ظاہر ہے کہ کرایہ پر لینے والا ہمیشہ نفع آور کام میں لگانے کے لئے کوئی چیز کرایہ پر نہیں لیتا، بسا اوقات اپنی وقتی ضرورت کے لئے لیتا ہے، آپ روزانہ ٹیکسی کرائے پر لیتے ہیں تو وہ وقتی ضرورت ہی کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اگر اِجارہ پر سود کو قیاس کرنا صحیح ہے تو مہاجنی سود کو بھی جائز کہنا پڑے گا، حالانکہ اس سود کو وہ لوگ بھی جائز نہیں کہتے جو تجارتی سود کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ قرآنِ کریم میں اس کی حرمت کی تصریح موجود ہے، اس سے خود اندازہ کر لیجئے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، اگر صحیح ہوتا تو قرآن اسے ناجائز قرار نہ دیتا۔

بیعِ سلم اور تجارتی سود

تجارتی سود کو جائز بتلانے والے حضرات اسے بیعِ سلم پر بھی قیاس کرتے ہیں، پہلے "بیعِ سلم" کا مطلب سمجھ لیجئے، سلم کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک کاشت کار

ایک شخص کے پاس آ کر یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت گندم کی فصل بو رہا ہوں، تھوڑے دنوں میں وہ پک جائے گی، مگر میرے پاس اس وقت پیسے نہیں ہیں، تم مجھے پیسے اب دے دو اور جب فصل تیار ہو جائے گی تو میں تمہیں اتنا گندم دے دُوں گا۔

لیکن ذرا سوچئے کہ بیعِ سلم ایک قسم کی بیع ہے، جسے شرائط کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً جائز رکھا اور اسے بیع کے اندر داخل قرار دیا، جسے اللہ تعالیٰ نے "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ" فرما کر حلال کیا ہے اور اس کے بالمقابل رِبا کو حرام فرمایا ہے، جو حضرات رِبا کو بھی نصِ قرآن و حدیث کے خلاف بیع ہی میں داخل کہتے ہیں، کیا وہ اپنے آپ کو مخالفینِ قرآن و اسلام کی اس صف میں کھڑا نہیں کر رہے جنھوں نے "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہا تھا اور قرآن نے ان کی تردید و وعید سنائی؟

پھر عقدِ سلم اور رِبا میں اس حیثیت سے زمین آسمان کا تفاوت ہے کہ سلم میں پہلے پیسے دینے کی بناء پر سامان زیادہ حاصل کرنے کی شرط نہیں لگائی جاتی، چنانچہ فقہ کی ساری معتبر کتابوں میں سلم کی تعریف "بیع الأجل بالعاجل" (یعنی ایک دیر میں ملنے والی چیز کی بیع فوری قیمت کے معاوضے میں) بغیر کسی شرط و تفصیل کے لکھی ہوئی ہے، عرفی مفہوم بھی غیر مشروط بیع کا ہے اور کسی معتبر عالم یا فقیہ نے کہیں یہ شرط نہیں لگائی کہ اس عقد میں مال چونکہ دیر میں ملتا ہے اس لئے زیادہ ملنا چاہئے، اس کے برخلاف تجارتی سود کی بنیاد ہی اس شرط پر قائم ہے۔

مدّت کی قیمت

ان کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ بعض فقہائے کرامؒ نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے کہ ایک تاجر اپنا مال قیمت کے نقد ہونے کی صورت میں مثلاً دس روپے میں دیتا ہے اور اُدھار کی صورت میں پندرہ روپے میں، اس صورت میں تاجر نے محض مدّت کی زیادتی کی وجہ سے پانچ روپے زیادہ کئے ہیں، چنانچہ ہدایہ باب المرابحۃ میں ہے:-

الا یری أنّهٗ یزاد فی الثمن لأجل الأجل؟

ترجمہ:- کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ مدّت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے؟

ہدایہ کی اس عبارت پر یہ تعمیر کھڑی کی گئی ہے کہ جب مدّت کے معاوضے میں زیادتی لینا جائز ہوا تو تجارتی سود میں بھی یہی شکل ہے کہ مدّت کے عوض پیسے زیادہ لئے جاتے ہیں۔

لیکن انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس ہدایہ میں مذکور الصدر جملہ لکھا ہے، اسی کی کتابُ الصلح میں نہایت واضح الفاظ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے:-

وذٰلک اعتیاض عن الأجل وھو حرام.

(بابُ الصلح فی الدَّین)

ترجمہ:- یہ مدّت کی قیمت لینا ہے، اور وہ حرام ہے۔

اور اس کے تحت علامہ اکمل الدین بابرتی رحمہ اللہ نے ہدایہ کی شرح عنایہ میں لکھا ہے کہ:-

روی ان رجـلًا سـأل ابـن عـمـر رضی اللہ عنہ فنھاہ عن ذٰلک، ثم سألہ فقال: ان ھٰذا یرید ان اطعمہٗ الرِّبا.

(عنایۃ علیٰ ھامش نتائج الافکار ج:۷ ص:۴۴)

ترجمہ:- روایت ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے (مدّت پر قیمت لینے کے سلسلے میں) سوال کیا تو آپ نے اسے منع فرمایا، اس نے پھر پوچھا تو آپ نے یہ فرمایا کہ: یہ چاہتا ہے کہ میں اسے سود کھانے کی اجازت دے دُوں۔

یہ نقل کرنے کے بعد صاحبِ عنایہ نے لکھا ہے: ''حضرت ابنِ عمرؓ نے یہ اس لئے فرمایا کہ سود کی حرمت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں صرف مدّت سے مال

کے تبادلے کا شبہ ہے، تو جہاں یہ بات شبہ کی حدود سے آگے بڑھ کر حقیقت بن گئی ہو وہاں تو حرمت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟"

اس کے علاوہ فقہِ حنفی کے ایک بلند پایہ عالم قاضی خان رحمہ اللہ جو صاحبِ ہدایہ ہی کے ہم رُتبہ ہیں، انہوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اُدھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا بھی جائز نہیں:-

لا يجوز بيع الحنطة بثمن النسيئة أقل من سعر البلد فانهٗ فاسد وأخذ ثمنهٖ حرام.

ترجمہ:- گندم کی بیع اگر اُدھار ہونے کی بناء پر شہر کے عام نرخ سے کم قیمت پر کی جاتی ہے تو وہ فاسد ہے اور اس کی قیمت لینا حرام ہے۔

عالمگیریہ وغیرہ میں بھی اس قسم کی تصریحات ملتی ہیں۔

البتہ اہلِ علم کے لئے یہ بات قابلِ غور رہ جاتی ہے کہ ہدایہ کی دو عبارتیں متضاد کیوں ہیں؟ پہلی عبارت سے مدّت کے معاوضے میں زیادتی لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور دُوسری عبارت سے اس کا حرام ہونا واضح ہے۔

اس کا جواب اہلِ علم کے لئے سمجھنا مشکل نہیں، اس سامان کے سودے میں اُدھار کا خیال کر کے کچھ قیمت میں اضافہ کیا جائے تو وہ براہِ راست مدّت کا معاوضہ نہیں بلکہ اس سامان ہی کی قیمت ہے، بخلاف اس کے براہِ راست مدّت ہی کا معاوضہ سالانہ یا ماہوار طے کیا جائے، یہ وہی ہے جسے ہدایہ کی کتابُ الصلح والی عبارت میں حرام کہا گیا ہے۔

جن حضرات کو فقہ سے کچھ بھی مناسبت ہوگی ان کو اس فرق کے سمجھنے میں کوئی اِشکال نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس کی نظیریں بے شمار ہیں کہ بعض اوقات بعض چیزوں کا معاوضہ لینا براہِ راست جائز نہیں ہوتا اور کسی دُوسرے سامان کے ضمن میں جائز

ہوجاتا ہے، اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ ہر مکان، دُکان اور زمین کی قیمت پر اس کے محلِ وقوع اور پڑوس کا بڑا اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے، ایک محلّہ میں ایک مکان دس ہزار روپے کا ہے تو وسطِ شہر میں بالکل اسی طرح کا اور اتنے ہی رقبے کا مکان ایک لاکھ میں بھی سستا سمجھا جاتا ہے، یہ قیمت کی زیادتی ظاہر ہے کہ مکان کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کی خاص کیفیت اور محلِ وقوع کے اعتبار سے ہے، اور جب کوئی آدمی یہ مکان بیچتا یا خریدتا ہے تو اس کی یہ کیفیت بھی فروخت ہوجاتی ہے اور قیمت کی جتنی زیادتی ہے وہ اسی کیفیت کے مقابلے میں ہے حالانکہ یہ کیفیت اور صفت کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ لیا جائے، مگر مکان یا زمین کی بیع کے ضمن میں اس کیفیت وصفت کا معاوضہ بھی شامل ہوکر جائز ہوجاتا ہے، اسی طرح ہر مکان کے لئے ایک گزرگاہ اور راستے کا حق ہوتا ہے، ہر زرعی زمین کے لئے آبیاری کا حق ہوتا ہے، اگر کوئی شخص ان حقوق کو تنہا بغیر مکان یا زمین کے فروخت کرنے لگے تو بیع ناجائز ہے کیونکہ حقوق خود تو کوئی مال نہیں، مگر مکان یا زمین فروخت کرے گا تو یہ حقوق ضمنی طور پر خود بخود فروخت ہوجائیں گے اور مکان، زمین کی قیمت میں ان کا معاوضہ بھی شامل ہوجائے گا۔

ہمارے زیرِ بحث مسئلے میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر اُدھار کی وجہ سے سامان کی قیمت میں زیادتی کو جائز تسلیم کیا جائے تو اس کی نوعیت وہی ہے کہ ضمنی طور پر مدّت کی رعایت سے سامان کی قیمت بڑھ گئی اور براہِ راست صرف مدّت کا معاوضہ لیا جائے تو وہ رِبا میں داخل ہوکر ناجائز ہوگا۔ چنانچہ جہاں صاحب ہدایہ نے مدّت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کو جائز کہا ہے وہاں پہلی صورت مراد ہے، اور انہوں نے مذکورہ صورت کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہاں مدّت پر جو قیمت لی جارہی ہے وہ اصلاً اور براہِ راست نہیں بلکہ ضمناً ہے (اگرچہ قاضی خانؒ وغیرہ نے اسے بھی ناجائز کہا ہے)، اور جہاں صاحبِ ہدایہ نے مدّت کے مقابلے میں عوض لینے

کوحرام کہا ہے وہاں ان کا مطلب یہ ہے کہ براہِ راست مدّت کی قیمت نہیں لی جاسکتی۔
تجارتی سود میں چونکہ مدّت کی قیمت ضمنی طور سے نہیں براہِ راست لی جاتی ہے، اس لئے یہ صورت باتفاق فقہاء حرام ہے۔

چند ضمنی دلائل

یہ دلیلیں تو بڑی اور اہم تھیں، اب آپ اُن حضرات کے اُن ضمنی دلائل پر بھی ایک نظر ڈالتے چلئے جو بذاتِ خود تو کسی نظریئے کی بنیاد نہیں بن سکتے لیکن بڑی دلیلوں کو تقویت پہنچاتے ہیں، اگرچہ یہ تمام دلائل گزشتہ اہم دلائل کے ختم ہوجانے کے بعد خودبخود بے معنی ہوجاتے ہیں، تاہم پورے اطمینان کے لئے ہم ان پر بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔
پہلی چیز جناب یعقوب شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ حدیثوں کی تدوین کے متعلق محدثین حضرات نے درایت کے اُصول منضبط کئے ہیں، ابنِ جوزیؒ نے لکھا ہے کہ وہ حدیث جس میں ذراسی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو، مخدوش ہے، قرآنِ کریم نے جس قدر سزا سودخور کے لئے رکھی ہے وہ شاید کسی اور مجرم کے لئے تجویز نہیں فرمائی، یہ عظیم سزا حاجت مندانہ اور صَرفی (Usury) قرضوں پر لئے جانے والے گھناؤنے سود پر تو بالکل ٹھیک اُترتی ہے لیکن تجارتی سود اتنا زیادہ نقصان دہ فعل نہیں ہے جس پر خدا و رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ کردیا جائے۔ ایک حاجت مند سے سود لینا سنگ دِلی ہے اور اس کی ممانعت سختی سے ہونی چاہئے، لیکن تجارتی سود پر یہ الزام عائد نہیں کیا جاسکتا، اس کے لینے والے مفلس نہیں ہوتے، وہ قرض نفع کمانے کی غرض سے لیتے ہیں اور عام طور پر نفع شرحِ سود سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔
اس دلیل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ تجارتی سود کوئی نقصان دہ چیز نہیں

ہے۔ حامیانِ تجارتی سود کی اکثر دلیلوں میں دراصل یہی ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے، اس لئے ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ تجارتی سود کے انفرادی، اجتماعی، معاشی اور سیاسی نقصانات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

نقصانات

اخلاقی نقصانات

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کرکے خودغرضی، بے رحمی، سنگ دِلی، زَر پرستی اور کنجوسی کی صفات پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو رحم و کرم، محبت و مودّت، ایثار، تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو، اس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گزاریں، ایک دُوسرے کی مصیبت میں کام آئیں، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں، دُوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دُوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں، رحم دِلی اور سخاوت کو اپنا شعار بنائیں اور اجتماعی مفاد کے آگے کچھ نہ سمجھیں۔ انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کرکے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اوجِ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں سے انہیں ''اشرف المخلوقات'' کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف سود (خواہ وہ تجارتی ہو یا مہاجنی) جس ذہنیت کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں، قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پروا ہوتی ہے، آگے اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا؟ کتنی مدّت میں؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اس کی دِلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض

کو جتنا ہوسکے دیر میں نفع ہوتا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور
چڑھتا رہے، اسے مدیون کے نقصان کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ نفع نقصان کی ہر
شکل میں اس کا نفع کھرا رہتا ہے۔ یہ چیز خودغرضی کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ ایک
سرمایہ دار کسی حاجت مندانہ قرضے میں بھی اپنی رقم کو بلاسود لگانے پر راضی نہیں ہوتا،
وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دُوں تاکہ گھر بیٹھے ایک معین نفع
مجھے حاصل ہوتا رہے، اس خیال کے پیشِ نظر اگر ایک شخص کے گھر میں بے گور وکفن
لاش پڑی ہے یا اس کا کوئی عزیز دَم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آکر اس سے
قرض مانگے گا تو وہ یا تو انکار کردے گا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس
سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا، ایسے مواقع پر بالعموم حرام کھاتے کھاتے قساوتِ قلب کی
یہ صفت اس درجہ رنگ جمالیتی ہے کہ اس وقت آپ کے مدلل لکچر اور پُر اثر مواعظ کچھ
کام نہیں آتے، سودخور دولت مند کو اپنے چاروں طرف پیسہ ہی ناچتا نظر آتا ہے، اس
لئے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہونی بھی نہ چاہئے کہ وہ ہماری بات کیوں
نہیں سنتا؟ اور ہمارے مواعظ کا کیوں اثر نہیں لیتا؟ اس کے پاس بزبانِ حال یہ
جواب ہے کہ ؎

اندرون قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

پھر جب لوگ دیکھتے ہیں کہ فاضل سرمایہ اس قدر منافع بخش ہے کہ اس
سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بھی ایک یقینی نفع حاصل ہوسکتا ہے تو ان میں زراندوزی کا
جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے اور وہ پیسہ بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے
ہیں، اور بسااوقات وہ اسی حرص کے نشے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر
کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضرور ہی پیدا کردیتی ہے، اور اس
مرحلے پر زراندوزی کے میدان میں ریس شروع ہوتی ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں

دُوسرے سے زیادہ روپیہ جمع کرلوں، اور پھر یہ ریس حسد، بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے، بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست سے دوست جلنے لگتا ہے، باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پروانہیں رہتی، یہاں تک کہ نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دَم توڑ دیتی ہے۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں، آپ اپنے گردوپیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے؟ آپ کو جواب اثبات میں ملے گا اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ یہ سب کچھ ''سود'' ہی کے شجرۂ خبیثہ کے پھل پھول ہیں، اور اگر ہمیں ان تمام ناہمواریوں کو دُور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کرکے اسی شجرۂ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا اور اگر ہم اصلاح و تبلیغ کے صرف لفظی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس احمق سے مختلف نہ ہوگی جو بدن پر جابجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے، جس طرح اس شخص کو کبھی شفا حاصل نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کر اسے ختم نہ کر ڈالے اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں۔

معاشی اور اقتصادی نقصانات

اس کے بعد معاشی نقصانات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، معاشیات میں بصیرت رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ تجارت، صنعت، زراعت اور تمام نفع آور (Productive) کاموں کی معاشی بہتری یہ چاہتی ہے کہ جتنے لوگ کسی کاروبار میں کسی بھی نوعیت سے شریک ہوں وہ سب کے سب اپنے مشترکہ کاروبار کے فروغ سے پوری پوری دِلچسپی رکھتے ہیں، ان کی دِلی خواہش یہ ہو کہ ہمارا کاروبار بڑھتا اور چڑھتا رہے، کاروبار کے نقصان کو وہ اپنا ہی نقصان تصوّر کریں تاکہ ہر خطرے کے موقع پر اس کے دفعیہ کے لئے اجتماعی کوشش کریں اور کاروبار کے فائدے کو وہ اپنا فائدہ خیال

کریں تاکہ اُسے پروان چڑھانے میں ان کی پوری پوری طاقت صَرف ہو۔

اس نقطۂ نظر سے عام معاشی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ کاروبار میں صرف سرمایہ ہی کی حیثیت سے شریک ہوں وہ بھی کاروبار کے نفع ونقصان سے پوری پوری دِلچسپی رکھیں، لیکن سودی کاروبار میں ان مفید جذبات کی کوئی رعایت نہیں بلکہ بعض اوقات معاملہ اس کے بالکل برخلاف رہ جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کرچکے ہیں، سودخور سرمایہ دار کو صرف اپنے نفع سے سروکار ہوتا ہے، آگے اُسے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کاروبار ترقی پر ہے یا تنزل پر؟ اس میں نفع ہو رہا ہے یا نقصان؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے روپے پر منافع وصول کرتا رہتا ہے اور بسااوقات اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاروبار کو جتنا ہوسکے دیر میں نفع ہو تاکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا نفع بڑھتا رہے۔ اسی بناء پر اگر کاروبار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تاجر اپنی پوری محنت اور کوشش اس کے دفعیہ پر صَرف کرے گا لیکن سرمایہ دار اس وقت تک ٹس سے مس نہ ہوگا جب تک کہ کاروبار کے بالکل ہی دیوالیہ ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس غلط طریقِ کار نے سرمایہ اور محنت کے درمیان ہمدردانہ رفاقت کی بجائے ایک سو فیصد خودغرضی کا تعلق قائم کردیا ہے جس کے نتیجے میں بے شمار نقصانات جنم لیتے ہیں، ان میں سے بے شمار نمایاں ترین یہ ہیں:-

۱:- سرمایہ کا ایک بڑا حصہ محض اس وجہ سے کام میں نہیں لگتا کہ اس کا مالک شرحِ سود کے بڑھنے کا انتظار کرتا ہے باوجودیکہ اس کے بہت سے مصارف موجود ہوتے ہیں اور بے شمار آدمی کسی کاروبار کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ملکی تجارت وصنعت کو بھی بڑا نقصان پہنچتا ہے اور عام قوم کی معاشی حالت بھی گر جاتی ہے۔

۲:- چونکہ ساہوکار کو زیادہ شرحِ سود کا لالچ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے سرمایہ کو کاروبار کی واقعی ضرورت اور طبعی مانگ کے اعتبار سے نہیں لگاتا بلکہ وہ محض اپنی

اغراض کو سامنے رکھ کر سرمایہ کو روکنے یا لگانے کا فیصلہ کرتا ہے، اس صورت میں اگر سرمایہ دار کے سامنے دو صورتیں ہوں کہ یا تو وہ اپنا سرمایہ کسی فلم کمپنی میں لگائے یا بے خانماں لوگوں کے لئے مکانات بنوا کر انہیں کرایہ پر دے، اور اسے فلم کمپنی کی صورت میں زیادہ نفع کی اُمید ہو تو وہ یقیناً فلم کمپنی میں سرمایہ لگا دے گا، بے خانماں افراد کی اسے کوئی پروا نہ ہوگی، ظاہر ہے یہ کہ ذہنیت عام ملکی مفاد کے لئے کس قدر خطرناک ہے؟

اس پر جناب یعقوب شاہ صاحب اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نقصان کی وجہ سود نہیں، انفرادی ملکیت ہے، جب تک سرمایہ افراد کی ملکیت ہے اس وقت تک سرمایہ دار طبقہ اس کے بہاؤ کو اپنے مفاد کے لحاظ سے روکتا اور کھولتا رہے گا۔ (ماہنامہ ''ثقافت'' دسمبر ۱۹۶۱ء)

ہمیں جناب یعقوب شاہ صاحب سے یہ عجیب سی بات سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے، جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ ''اس خرابی کی وجہ انفرادی ملکیت ہے'' تو ایک بڑی اہم قید کو نظر انداز کر جاتے ہیں، صرف ''انفرادی ملکیت'' اس کا سبب نہیں، ''بے لگام اور خود غرض انفرادی ملکیت'' اس کا سبب ضرور ہے، جو ملکیت کسی قسم کی کوئی قید اور پابندی برداشت نہ کرتی ہو وہی سرمایہ کے بہاؤ کا رُخ ذاتی مفاد کی جانب پھیر دیتی ہے، لیکن ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھئے کہ اس ''بے لگام اور خود غرض انفرادی ملکیت'' کا سبب کیا ہے؟

آپ بنظرِ انصاف غور کریں گے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ اس کا سبب ہے سود اور سرمایہ داری نظام! سود کا لالچ ہی انسان میں وہ خود غرضی پیدا کرتا ہے جس کی بناء پر وہ اپنی املاک کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیتا ہے اور ہر وقت ذاتی منافع کے تصور میں مگن رہتا ہے، کسی بھلائی اور بہبود کے کام میں پیسہ لگانے کا خیال بھی اُسے نہیں آتا۔ اب واقعات کی منطقی ترتیب اس طرح ہوگئی کہ:۔

سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہوجانا خودغرض انفرادی ملکیت سے
پیدا ہوتا ہے اور اس قسم کی انفرادی ملکیت کا سبب سود اور سرمایہ
دارانہ نظام ہے!

نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نا کہ اس خرابی کا اصل سبب سود اور سرمایہ داری نظام ہے، اب آپ ہی بتایئے کہ یہ بات کیسی غلط ہوجاتی ہے کہ ''ذاتی مفاد پر سرمایہ کا رُکنا اور کھلنا سود سے نہیں انفرادی ملکیت سے ہوتا ہے۔''

اگر واقعی مذکورہ خرابی (یعنی سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہوجانے) کا ازالہ منظور ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے سود اور سرمایہ داری نظام پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا، جب تک یہ نہ ہوگا ملکیت میں وہی خودغرضی اور بے لگامی باقی رہے گی جو مذکورہ خرابی کا اصل سبب ہے، اس خرابی کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سودی اور سرمایہ داری نظامِ معیشت کو ختم کر کے اسلامی نظامِ معیشت کو بروئے کار لایا جائے جس میں سود، قمار اور سٹے کی ممانعت، زکوٰۃ، عشر، صدقات، خیرات اور میراث کے اَحکام اس قسم کی خودغرضانہ ذہنیت پیدا ہونے ہی نہیں دیتے، اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے اور لوگوں کے دِلوں میں خدا کا خوف پیدا کیا جائے جو انہیں باہمی تعاون اور اجتماعی بہبود کے کاموں میں سرگرم بنائے۔

سود اور سرمایہ داری نظام جو خودغرض انفرادی ملکیت کے سرچشمے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہوئے صرف یہ کہہ کر فارغ ہوجانا کہ ''ان خرابیوں کا اصل سبب انفرادی ملکیت ہے'' اس مسئلے کا حل کیسے بن سکتا ہے؟

۳:- سودخور دولت مند چونکہ سیدھے سادے طریقے پر کاروباری آدمی سے شرکت کا معاملہ طے نہیں کرتا کہ اس کے نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہو، اس لئے وہ یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کاروبار میں تاجر کو کتنا نفع ہوگا؟ اسی نسبت سے وہ اپنی شرحِ سود متعین کرتا ہے، اور عام طور سے وہ اس کے منافع کا انداز لگانے میں مبالغہ

آمیزی سے کام لیتا ہے۔

دُوسری طرف قرض لینے والا اپنے نفع ونقصان دونوں پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر بات کرتا ہے، چنانچہ جب کاروباری شخص کو نفع کی اُمید ہوتی ہے وہ سرمایہ دار سے قرض لینے آتا ہے، سرمایہ دار معاملے کو بھانپ کر سود کی شرح اس حد تک بڑھاتا چلا جاتا ہے کہ تاجر اس شرح پر قرض لینا اپنے لئے بالکل بیکار سمجھتا ہے، دائن اور مدیون کی اس کشمکش سے سرمایہ کا کام میں لگنا بند ہوجاتا ہے اور وہ بے کار پڑا رہ جاتا ہے، پھر جب کساد بازاری اپنی آخری حدوں تک پہنچ جاتی ہے اور سرمایہ دار کو خود اپنی ہلاکت نظر آنے لگتی ہے تو وہ شرحِ سود گھٹادیتا ہے، یہاں تک کہ کاروباری آدمیوں کو اس پر نفع کی اُمید ہوجاتی ہے، پھر بازار میں سرمایہ آنا شروع ہوجاتا ہے، یہی وہ کاروباری چکر (Trade Cycle) ہے جس سے ساری سرمایہ کار دُنیا پریشان ہے، غور کیا جائے تو اس کا سبب ہی تجارتی سود ہے۔

۴:- پھر بعض اوقات بڑی بڑی صنعتی اور تجارتی اسکیموں کے لئے سرمایہ بطورِ قرض لیا جاتا ہے اور اس پر بھی ایک خاص شرح کے مطابق سود عائد کیا جاتا ہے، اس طرح کے قرض عام طور پر دس بیس یا تیس سال کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں اور تمام مدّت کے لئے ایک ہی شرحِ سود مقرّر ہوتی ہے، اس وقت اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ آئندہ بازار کے نرخ میں کیا اُتار چڑھاؤ پیدا ہوگا؟ اور ظاہر ہے کہ جب تک فریقین کے پاس علمِ غیب نہ ہو اس وقت تک وہ یہ جان بھی نہیں سکتے۔

فرض کیجئے کہ ۱۹۶۲ء میں ایک شخص بیس سال کے لئے سات فیصد شرحِ سود پر ایک بھاری رقم بطور قرض لیتا ہے، اور اس سے کوئی بڑا کام شروع کرتا ہے، اب وہ مجبور ہے کہ ۱۹۸۲ء تک ہر سال باقاعدگی کے ساتھ اسی طے شدہ شرح کے مطابق سود دیتا رہے، لیکن اگر ۱۹۷۰ء تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گر کر موجودہ نرخ سے نصف رہ جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص جب تک موجودہ حالت کی بہ نسبت دُگنا مال نہ

بیچے وہ نہ اس رقم کا سود ادا کرسکتا ہے اور نہ قسط، اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ اس ارزانی کے دور میں یا تو اس قسم کے قرض داروں کے دیوالیے نکل جائیں گے یا وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکات میں سے کوئی حرکت کریں گے۔

اس معاملے پر غور کرنے سے ہر انصاف پسند اور معقول آدمی پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مختلف زمانوں کی گرتی اور چڑھتی قیمتوں کے درمیان ساہوکار کا ایک متعین اور یکساں نفع نہ تو قرینِ انصاف ہی ہے اور نہ معاشی اُصولوں کے لحاظ سے اسے دُرست کہا جاسکتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی تجارتی کمپنی یہ معاہدہ کرلے کہ وہ آئندہ بیس یا تیس سال تک خریدار کو ایک ہی متعین قیمت پر اشیاء فراہم کرتے رہیں گے، جب یہ معاملہ صحیح نہیں تو آخر سود خور دولت مند میں وہ کیا خصوصیت ہے جس کی بناء پر اس کے نفع پر قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کا کوئی اثر نہیں پڑتا؟

جدید بینکنگ

نئی مغربی تہذیب نے یوں تو بہت سی مہلک چیزوں پر چند سطحی فوائد کا ملمع چڑھا کر پیش کیا ہے، مگر اس کا یہ کارنامہ سب سے زیادہ ''قابلِ داد'' ہے کہ ''سود'' جیسی گھناؤنی اور قابلِ نفرت چیز کو جدید بینکنگ سسٹم کا دِلکش اور نظر فریب لبادہ پہنا کر پیش کیا اور اس طرح پیش کیا کہ اچھے خاصے سمجھ دار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس نظام کو نہایت معصوم اور بے ضرر سمجھنے لگے۔

مغربی تہذیب کے اس بدترین مظہر کی خوبیاں لوگوں کے دِل و دِماغ پر کچھ اس طرح چھا چکی ہیں کہ وہ اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اس کو بے ضرر بلکہ نفع بخش، جائز بلکہ قطعاً ناگزیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر تقلیدِ مغرب کی منحوس عینک اُتار کر واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ایک سلیم الفکر انسان کا ذہن سو فیصد اسی نتیجے

پر پہنچے گا کہ عام قوم کے لئے معاشی ناہمواریاں پیدا کرنے میں جس قدر بڑی ذمہ داری بینکنگ کے موجودہ نظام پر ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ قدیم نظامِ ساہوکاری کے نقصانات پھر اتنے زیادہ نہیں تھے جتنے کہ اس جدید نظام سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم پہلے مختصراً بینکنگ کا طریقِ کار ذکر کرتے ہیں تاکہ بات کو سمجھنے اور کسی نتیجے تک پہنچنے میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

ہوتا یہ ہے کہ چند سرمایہ دار مل کر ایک ادارۂ ساہوکاری قائم کر لیتے ہیں، جس کا دُوسرا نام ''بینک'' ہے، یہ لوگ مشترکہ طور پر ساہوکاری کا کاروبار کرتے ہیں۔

شروع میں کام چلانے کے لئے یہ لوگ کچھ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں لیکن بینک کے مجموعی سرمایہ میں اس کا تناسب بہت کم ہوتا ہے، بینک کا زیادہ تر سرمایہ وہ رقم ہوتی ہے جو عام لوگ (Depositors) بینک میں رکھواتے ہیں۔ دراصل بینک کی ترقی کے لئے سب سے اہم یہی سرمایہ ہوتا ہے، جس بینک میں جتنا زیادہ سرمایہ امانت داروں کا ہوتا ہے اتنا ہی وہ طاقت ور سمجھا جاتا ہے، لیکن اگرچہ امانت داروں کا سرمایہ بینک کی اصل رُوحِ رواں ہوتی ہے مگر ان لوگوں کو بینک کی پالیسی میں کوئی دخل نہیں ہوتا، روپیہ کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ شرحِ سود کیا مقرر ہو؟ منتظم کسے رکھا جائے؟ ان تمام چیزوں کا تعین صرف سرمایہ داروں کی صوابدید پر ہوتا ہے، امانت داروں کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ پیسہ رکھوا کر معمولی شرح سے سود لیتے رہیں اور پھر اگرچہ کہنے کو تو بینک کے بہت سے حصے دار (Shares) ہوتے ہیں مگر بینک کی پالیسی میں تمام عمل و دخل ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے حصص (Shares) زیادہ ہوں، رہے چھوٹے حصے دار تو ان کا تعلق بینک سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ جب نفع کی تقسیمِ کار کا وقت آئے تو ان کا حصہ رسدی پہنچ جائے اور بس۔

اب یہ چند بڑے سرمایہ دار اپنی مرضی کے مطابق بینک کا روپیہ سود پر دیتے ہیں، سرمایہ کا ایک حصہ یہ لوگ روزمرّہ کی ضروریات کے لئے اپنے پاس رکھتے ہیں،

کچھ صرافہ بازار کو قرض دیا جاتا ہے اور کچھ دُوسرے قلیل المیعاد قرضوں میں صَرف کیا جاتا ہے، ان قرضوں پر بینک کو ایک سے لے کر تین چار فیصد تک سود مل جاتا ہے۔

پھر ایک بڑا حصہ کاروباری لوگوں، بڑی بڑی کمپنیوں اور دُوسرے اجتماعی اداروں کو دیا جاتا ہے جو بالعموم مجموعی رقم کا ۳۰٪ سے لے کر ۶۰٪ تک ہوتا ہے، بینک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی قرضے ہیں، ہر بینک کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ ان قرضوں میں لگے، اس لئے کہ ان قرضوں پر سب سے زیادہ شرح سے سود ملتا ہے، اس طرز پر جو آمدنی بینک کو حاصل ہوتی ہے وہ بینک کے تمام شرکاء کے درمیان اسی انداز سے تقسیم کردی جاتی ہے جیسے عام تجارتی کمپنیوں کا دستور ہے۔

اس دام ہم رنگ زمین کو پھیلانے میں جس چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے وہ واقعۃً عجیب ہے، عوام تو سود کے لالچ میں اپنی رقمیں ایک ایک کر کے بینک کی تجوریوں میں بھرتے رہتے ہیں اور اس سے پورا نفع چند سرمایہ دار اُٹھاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ساہوکار غریب اور کم دولت مند تجار کو تو پیسہ دینے سے رہے، وہ تو ہمیشہ یہ روپیہ ان بڑے بڑے سرمایہ داروں کو دیتے ہیں جو انہیں اچھی شرح سے سود دے سکیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم کا سرمایہ چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے پاس جمع ہوجاتا ہے اور یہ دولت کے اس خزانے کے بل پر پوری قوموں کی قسمت سے کھیلتے ہیں۔ دُنیا کے سیاسی معاملات سے لے کر قوم کے معاشی حالات تک ہر چیز ان کے رحم وکرم پر ہوتی ہے اور یہ پوری دُنیا کی سیاسی، معاشی اور تمدنی زندگی پر پوری خودغرضی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک تاجر صرف دس ہزار کا مالک ہوتے ہوئے دس لاکھ کے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے تو اگر اسے نفع پہنچ جائے تو وہ سود کے چند ٹکوں کے سوا پورا اسی کو ملا، اور اگر اسے نقصان ہو تو اس کے صرف دس ہزار ڈوبے، باقی نو لاکھ

نوے ہزار روپیہ تو پوری قوم کا گیا، جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، پھر اسی پر بس نہیں، ان سرمایہ داروں نے یہاں بھی دس ہزار کے نقصان سے بچنے کی یہ راہ نکال لی ہے کہ اگر یہ خسارہ کسی حادثے کے سبب ہوتا ہے تو یہ اپنا پورا انشورنس کمپنی سے وصول کر لیتے ہیں، جو درحقیقت قوم ہی کا سرمایہ ہوتا ہے، گویا ان سرمایہ داروں کے نقصان کی تلافی بھی ان ہی غریبوں پر فرض ہو جاتی ہے جو اپنا پورا روپیہ انشورنس کمپنیوں میں جمع رکھتے ہیں، اور نہ ان کا کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے، نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے، اور اگر یہ نقصان بازار کے نرخ گر جانے سے ہوتا ہے تو سرمایہ دار سٹے کے ذریعے اپنا نفع ٹوٹا برابر کر لیتے ہیں۔

اب اس معمولی نفع کا حال بھی سنئے جو بینک اپنے امانت دار عوام کو ہر سال ایک سو کے عوض ایک سو تین دیتا ہے، مگر درحقیقت یہ تین روپے بھی مزید کچھ سود لے کر پھر ان ہی سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ جاتے ہیں۔

جو سرمایہ دار بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں لے کر تجارت کرتے ہیں وہ اس دولت کی وجہ سے پورے بازار پر قابض ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ جب چاہتے ہیں نرخ بڑھا دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں گھٹا دیتے ہیں، جب اور جہاں جی میں آتا ہے قحط برپا کر دیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں اشیاء کی فراوانی ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں انہیں اپنے نفع میں کچھ کمی ہوتی نظر آئی، انہوں نے بازار میں اشیاء کے نرخ بڑھا دیئے، اشیاء گراں ہو گئیں اور بے چارے عوام نے خود اپنے ہاتھوں سے وہ سود کی رقم جو بینک سے حاصل کی تھی پھر ان ہی سرمایہ داروں کے حوالے کر دی، اس طرح ہمارے بینک درحقیقت پوری قوم کے (Blood Bank) بنے ہوئے ہیں جہاں سے یہ سرمایہ دار پوری قوم کا خون چوس چوس کر پھولتے رہتے ہیں اور پوری قوم اقتصادی اعتبار سے نیم جان لاش رہ جاتی ہے۔

اس بینکنگ کی اصلیت معلوم کرنے کے بعد بھی کیا کسی سلیم الفکر انسان پر

یہ بات مخفی رہ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کے لین دین کرنے والے کے لئے خدا اور رسولؐ کے اعلانِ جنگ کی سخت وعید کیوں سنائی؟

ایک اور ضمنی دلیل

جناب جعفر شاہ صاحب پھلواروی لکھتے ہیں:-

فرض کیجئے ایک شخص آٹھ سو روپے کی ایک بھینس خریدتا ہے جو روزانہ دس پندرہ سیر دودھ دیتی ہے، یہ اپنی بھینس ایک شخص کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم اس کی خدمت کرو اور اس کے دودھ، دہی، مکھن سے فائدہ اٹھاؤ اور مجھے چار پانچ سیر دودھ روزانہ دے دیا کرو۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کی شرائط پر وہ بھینس کسی کے حوالے کر دے اور وہ ان شرائط کو قبول کر لے تو کیا یہ سودا کسی فقہ کی رُو سے ناجائز ہوگا؟

اس سلسلے میں ہم سوائے اظہارِ حیرت کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ نہ جانے جعفر شاہ صاحب کو اس صورت کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمارے نزدیک سوال یہ نہیں کہ یہ صورت کون سی فقہ کی رُو سے جائز ہے؟ اگر کسی فقہ کی رُو سے جائز ہے تو براہِ کرم نشاندہی فرمائیں۔ اس صورت میں بھی چونکہ ایک شخص کا نفع متعین اور ایک کا موہوم اور مشتبہ ہے، اس لئے یہ معاملہ ہر فقہ میں ناجائز ہے، ہوسکتا ہے کہ کبھی بھینس صرف پانچ سیر دودھ دے اور سارا بھینس کا مالک لے لے اور خدمت کرنے والے کی محنت اور پیسہ بیکار جائے!

❀❀❀